کلامِ ضامن

مؤلفہ

فاطمہ حسن

یہ کتاب محکمہ تعلیم یو پی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

بار اول : ———— مارچ ۱۹۸۱ء
مطبع : ———— نامی پریس لکھنؤ
قیمت : ———— چالیس روپے

—— : ملنے کا پتہ : ——

نصرت پبلشرس حیدری مارکیٹ امین آباد لکھنؤ

== ناشر ==

بیگم فاطمہ حسن۔ گلستان کالونی لکھنؤ ا

پیش لفظ

اردو زبان و ادب کے ارتقاء اور پذیرائی کے سلسلہ میں سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد کا زمانہ مختلف اسباب کی بناپر بڑی اہمیت رکھتا ہے اسی عہد میں اردو ادب کے سلسلہ میں ایک اہم موڑ نمودار ہوا جبکہ استحقاق کے باوجود اسے بڑی تاخیر کے ساتھ ہندوستانی جامعات میں داخلہ ملنا شروع ہوا اور اعلیٰ تعلیم کے علاوہ اردو کے سلسلہ میں اعلیٰ تحقیق و تفتیش کا باضابطہ آغاز ہوا۔ تقریباً اسی عہد میں اردو زبان اور بنیادی تعلیم اور عمومی استعمال کے سلسلہ میں جو باد مخالف نسبتہً دھیمے انداز میں عرصہ سے چل رہی تھی، رفتہ رفتہ تندی اور تیزی کی طرف مائل ہوئی اور پھر وہ مسائل و مشکلات سرعت کے ساتھ نمودار ہونا شروع ہوئے جن کا اضطراب و ابتلا ہنوز موجود ہے۔

مرحوم پروفیسر سید ضامن علی صاحب اسی تضاد صفت عہد کی یادگار تھے۔ ایسی یادگار کہ جس نے خود اس عہد پر اپنے یادگار نقوش چھوڑے ہیں اس عہد میں وہ اردو اساتذہ کے پھیلتے اور بڑھتے ہوئے کارواں کے سرخیل تھے ان کا شمار اُن اوّلین دانشوروں میں ہوتا ہے جنھوں نے بنیاد سے بالائی منزلوں تک اردو کی ہمہ جہت خدمت کی ہے۔ وہ اردو کی اعلیٰ تعلیم دیتے تھے مگر بنیادی تعلیم اور اس کے مسائل کے بھی خصوصی ماہر تھے۔ عرصہ دراز تک پورے شمالی ہند میں وہ تنہا پروفیسر تھے اور اس پورے دور میں تعلیم و تربیت کے علاوہ الٰہ آباد یونیورسٹی میں شعبۂ اردو میں

نظم ونسق کا اعلیٰ نصاب قائم کرنے پر ہندوستان گیر شہرت حاصل کی تھی انھوں نے نسل در نسل ایسے طلبہ کی پرداخت کی جن کی بڑی تعداد نے اردو ادب کے سلسلہ میں نمایاں مقام حاصل کیا اور بعض تو ایسے نمودار نکلے کہ جنھیں ان کی بالغ نظری ملکہ عبقریت کی بنا پر اردو ادب وتنقید کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ان کے فیض تعلیم کا سلسلہ اس وقت تک کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی مہارت کے علاوہ وہ اردو کے مسائل سے بھی عملی باخبری رکھتے تھے میں نے ان سے بارہا گفتگو کی ہے اور آج بھی اردو کے مسائل کے متعلق جب ان کی رائے اور نظریات یاد آتے ہیں تو ان کی نگاہ ثاقب وستقبل بیں کا قائل ہونا پڑتا ہے اس وقت اردو کا مسئلہ نوعیت وحقیقت کے اعتبار سے جن الجھنوں میں گرفتار ہے مرحوم پروفیسر ضامن علی صاحب ان کا صاف شفاف ادراک بہت پہلے رکھتے تھے۔ انھوں نے تعلیم کی راہنمائی اور اردو کی مسیحائی میں تقریباً اپنی پوری عمر صرف کر دی اور ایسی مثال چھوڑ گئے جو اب بھی قابل تقلید ہے۔

دیگر محاسن اوصاف کا مجموعہ ہونے کے علاوہ وہ ایک خوش فکر اور خوش ذوق شاعر بھی تھے۔ ان کا کلام ادب کے مختلف اصناف پر مشتمل ہے اور غالباً جتنا دستیاب ہے اس سے زیادہ ضائع ہو گیا۔ انھوں نے نہایت جزیل قصیدے کہے ہیں لیکن غزلیات کی مقدار ان کے مجموعی کلام میں بہرحال زیادہ ہے۔ ضابطہ اور نظریہ کے اعتبار سے وہ ادب میں تحفظ پسندی کے قائل تھے اسی سے ان کی غزلوں میں کلاسیکی عناصر کی توانائی مسلسل ملتی ہے۔ ان غزلوں میں ماضی کی آواز بازگشت صاف صاف سنائی دیتی ہے لیکن عہد جدید میں ڈھلی ہوئی ان کی فکر وفطرت کا آہنگ اور مسلسل ازاس آواز میں روشنی اور گل نغمگی پیدا کرتی رہتی ہے۔ جن لوگوں نے ضامن صاحب کو دیکھا ہے وہ خوب اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ نہایت متین وضع دار اور متوازن شخصیت اور کردار کے

مالک تھے اور ایک ایسی تہذیب کے پروردہ اور توسیع کرنے والے تھے جن میں اسلاف واخلاق کی روح رواں تھی وہ نہ شورش پسند طبیعت رکھتے تھے اور نہ ہیجان زدہ فکر اسی لئے ان کی غزلوں میں نہ کوئی ہنگامہ ہے اور نہ شور نشور نہ ان میں کوئی برسرپیکار نیرنگ ہے اور نہ ہر قرب شعبدہ اور سیمیا۔ یہ غزلیں مجموعی طور پر ایک ایسی تہذیب اور شخصیت کی نمایندہ ہیں جس کا خاص وصف جامعیت، تحفظ اور عشق وشعر میں بھی وضع داریوں کو ملحوظ رکھنا تھا۔ یہ اوصاف اس پورے نظام کے لئے محض ذہنی کیفیت کی حیثیت نہیں بلکہ قدر اور نظر کی حیثیت رکھتے تھے اسی لئے یہ غزلیں جا بجا اثر انگیزی کی انھیں کیفیتوں پر مشتمل ہیں کہ جن کا صحیح احساس ادراک کرنے کے لئے اس شگفتہ اور زریں تہذیب کے خاص عناصر سے شناسائی ضروری ہے جو حقیقتاً ان کی تخلیق کا باعث ہوئی ہیں۔

خوشی کا مقام ہے کہ ان کا کلام ان کے لائق اخلاف کی توجہ سے رفتہ رفتہ منظر عام پر آرہا ہے مجھے یقین ہے کہ ان کا کلام صاحبان ذوق کے لئے بڑی کشش کا باعث ہوگا اور فراموش کردہ ضامن صاحب کی یاد آفرینی اور ان کے صحیح منصب ومقام کو نئے سرے سے دریافت کرنے میں مددگار ہوگا۔

شبیہہ الحسن
۲ر مارچ ۱۹۸۱ء

عمِ محترم پروفیسر ضامن علی

سید نجم الدین نقوی

پروفیسر ضامن علی صاحب مرحوم و صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی کے نام سے ہر وہ شخص واقف ہے اور آئندہ بھی واقف رہے گا جسے اردو زبان و ادب کی ترویج سے دل چسپی ہے۔ یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ ضامن صاحب مرحوم ایک معنی میں تاریخ ساز شخصیت تھے۔ مدتوں ان کی ادبی۔ علمی و تعلیمی فہم و فراست کی بدولت اردو زبان کا کاروان تہذیب جادہ پیما رہا ہے اس لیے ان کی زندگی اردو زبان و ادب کا ایک دور اور ان کی ذات بہ ذات خود ایک ادارہ تھی۔ اس مختصر سے مضمون میں اس کا مفصل تذکرہ ممکن نہیں ہے۔

ضامن صاحب کا وطن قصبۂ مصطفےٰ آباد تھا۔ مصطفیٰ آباد ان پانچ بستیوں میں ہے جہاں سادات گردیز آباد ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ سید شہاب الدین گردیزی تھے۔ ان کا مقبرہ آج بھی مانک پور ضلع پرتاپ گڑھ میں واقع ہے۔ پانچ بستیوں میں سول پور اور مصطفیٰ آباد، زید پور ضلع رائے بریلی میں واقع ہیں اور مانک پور اور اونچہ گاؤں پرتاپ گڑھ کے ضلع میں۔ سید شہاب الدین کی اولاد انھیں بستیوں میں آباد ہے۔ یہ لوگ نقوی سادات ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ قدیم زمانے سے زمینداری کے اختتام تک شرفاء ملازمت کرنا دون مرتبت سمجھتے تھے۔ بڑی بڑی زمینداریاں اور تعلقہ داریاں تھیں اور ٹھاٹھ سے زندگی بسر ہوتی تھی۔ علوم دنیوی کی جانب کم توجہ کرتے تھے۔ البتہ علوم دینی اور شعر و ادب سے شغف رکھتے تھے۔ مصطفیٰ آباد والوں کا بھی یہی حال تھا۔ اودھ کلچر کی چھاپ

ان پر پوری طرح دکھائی دیتی ہے۔ مجلسیں۔ مشاعرے اور مقاصدے ہوتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور باہر سے بھی شعرا کو مدعو کرتے تھے۔ چنانچہ مصطفیٰ آباد کی مرثیہ خوانی کی مجلسوں میں میر نفیس، میر علی محمد عارف اور دولھا صاحب عروج نے شرکت کی ہے اور اپنی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی سے اس بستی کے لوگوں میں محبت اہلبیت اور شعر و ادب کے جذبہ کو مضبوط تر کیا ہے۔

مصطفیٰ آباد سے لکھنؤ صرف ۵۰ میل پر واقع ہے۔ ۱۹۱۱ء میں اس بستی کو ریل کے ذریعہ لکھنؤ سے ملا دیا گیا تو اودھ سے تعلقات اور بھی بڑھنے لگے۔ ویسے انتزاع سلطنت اودھ سے قبل بھی یہ تعلقات برقرار تھے۔ مصطفیٰ آباد میں سیدوں کے دو خاندان تھے۔ جن کے پاس بڑی بڑی زمینداریاں تھیں۔ انھیں خاندانوں میں ایک کے مورث میر ببر علی صاحب تھے جو اسم بامسمیٰ تھے۔ ان کے اولاد ذکور نہ تھی۔ مرحوم کی بیٹی زیب النسا عرف بوٗ بی بی بھی لاولد تھیں اس لیے انھوں نے خود اپنے شوہر میر نوروز علی مرحوم کا عقد ثانی نقوی سادات (ضلع فتح پور) کے ایک خاندان کی لڑکی سے کر دیا۔ یہ خاندان لکھنؤ میں مقیم تھا اسلئے میر نوروز علی صاحب کا قیام زیادہ تر لکھنؤ میں رہتا تھا۔

وہ واجد علی شاہ مرحوم کے دربار میں بہت دخیل بتائے جاتے تھے ان کی سفارش پر لوگوں کو شاہی منصب ملا کرتے تھے۔ میر نوروز علی صاحب چونکہ میر ببر علی کے داماد تھے اس سے ساری زمینداری انھیں کے نام تھی اور وہی تعلقہ دار تھے۔

میر نوروز علی کے تین فرزند اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام مولوی سید مظہر حسین مولوی سید محمد مہدی، اور مولوی سید واجد علی تھے۔ مولوی مظہر حسن بیٹوں میں سب سے بڑے تھے اس لیے باپ کے بعد وہی تعلقہ دار ہوئے۔ ان سے چھوٹے مولوی محمد مہدی تھے جنھوں نے لکھنؤ میں سکونت اختیار کی اور سب سے چھوٹے فرزند سید واجد علی مصطفیٰ آباد میں اپنے بڑے بھائی مولوی مظہر حسن کے ساتھ رہے۔ مولوی مظہر حسن نے عربی تعلیم حاصل کی اور اپنے زمانے کے عالم ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ مولوی مظہر حسن نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک علم کلام میں۔

دوسری علم اخلاق میں۔ پہلی کتاب کا نام تواضیف الاسباف فی رد مجمع الاوصاف ہے اور دوسری کا صراطِ مستقیم۔ مولوی محمد مہدی نے عربی ادب میں وہ کمال حاصل کیا کہ انیسویں صدی میں لکھنؤ جیسے مقام پر ادیب کہلائے اور ان کے نام کے ساتھ ادیب لکھا جانے لگا۔ اُن کی عربی تصنیف "کواکب دریہ" آج بھی عربی ادب کی کتابوں میں احترام سے دیکھی جاتی ہے۔ مولوی مظہر حسن اور مولوی محمد مہدی اور مولوی واجد علی کو اپنے والد مرحوم میر نوروز علی سے ملکۂ شاعری ورثہ میں ملا تھا۔ یہ تینوں بھائی اچھے شاعر تھے۔ دونوں بڑے بھائی تو فارسی اور عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔

میر واجد علی کی شادی الہ آباد کے قصبہ کہرا کے تعلقہ دار علی العباد نیساں کی دختر سے ہوئی۔ نیساں فارسی اور عربی کے عالم و اُستاد اور بہترین شاعر تھے۔ میر واجد علی کے دو فرزند اور دو بیٹیاں ہوئیں بڑے فرزند کا نام سید محمد حامد علی تھا اور چھوٹے کا سید محمد ضامن علی۔ دونوں بھائی شاعر تھے حامد علی صاحب سرکوب تخلص کرتے تھے اور سرکوب الہ آبادی کے نام سے جانے جاتے تھے اور چھوٹے بھائی پروفیسر ضامن علی ضامن تخلص کرتے تھے۔

پروفیسر ضامن علی کی شادی مرشد آباد کے رئیس اور ملک کے مشہور خطیب پیش امام مولوی سید محمد حسین زیدی کی صاحب زادی محترمہ نجم النساء بیگم عرف نازنین بیگم سے ہوئی جو ملک کے مشہور خطیب حکیم مرتضیٰ حسین کی سالی بھی ہیں۔ ضامن صاحب کے دو فرزند اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ بڑے فرزند سید محمد حیدر عین جوانی میں فوت ہو گئے ان کے ماشاءاللہ تین فرزند ہیں۔ چھوٹے بیٹے سید مظہر حیدر نے صحافتی زندگی اختیار کی اور اب ماشاءاللہ اپنے والد ماجد کا نام روشن کر رہے ہیں۔ بیٹیوں میں محنہ کا انتقال کم سنی میں ہو گیا۔ فاطمہ ماشاءاللہ گریجویٹ ہیں انھوں نے تقابلی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور افسانے لکھتی ہیں۔ منصورہ نے اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی اور اس وقت ڈاکٹر منصورہ حیدر بحیثیت ریڈر علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں کام کر رہی ہیں۔ چھوٹی بیٹی ناصرہ نے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اردو۔ ہندی۔ انگریزی اور فارسی زبانوں

میں عبور رکھتی ہیں۔ ان کی کئی تصنیفیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں فیلو شپ بھی حاصل کر چکی ہیں۔

اس مختصر سے خاندانی تذکرے سے اندازہ ہو جائے گا کہ ضامن صاحب کے بزرگوں نے جو علمی اقتدار حاصل کیا تھا اسے ضامن صاحب اور ان کی اولاد نے نہ صرف برقرار رکھا بلکہ بزرگوں کے نام کو بھی بلند کیا۔

ضامن صاحب کو اگرچہ خاندانی اعتبار سے مالی فراغت حاصل تھی مگر ان کی دوربین نگاہوں نے جیسے آنے والے دور کی تصویر دیکھ لی تھی اور بدلتے وقت کے تقاضوں کو سمجھ لیا تھا۔ اسلئے فارسی۔ عربی کی تعلیم کے ساتھ مغربی علوم کی جانب متوجہ ہوئے اور آگرہ و الہ آباد کی درسگاہوں سے فیض حاصل کیا۔ اور فارسی میں ایم۔ اے کا امتحان امتیاز سے پاس کیا۔ چونکہ اردو زبان و ادب سے خاندانی رجحان اور لگاؤ ورثہ میں ملا تھا اسلئے اردو زبان کی تدریس کو پسند کیا۔ میں مرحوم کیساتھ چھ برس تک رہا۔ اس دوران آنکھوں دیکھا اور اس سے پہلے کانوں سُنا کہ ان کا گھر عزیزوں کے لیے مامن تھا اور ان سب کے وہ اس طرح کفیل ہوتے تھے جیسے اپنی صُلبی اولادوں کے۔ گویا مرحوم یہ سمجھتے تھے کہ قدرت نے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے وہ اسی لیے ہے کہ وہ دوسروں پر تقسیم کرتے رہیں۔ اپنے چھ سالہ دوران قیام میں انھیں میں نے کبھی بار بھی گھر کے اندر اکیلے کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ صبح کی چائے سے لے کر رات کے کھانے تک وہ دوسروں کو شریک کر کے کھانے پینے کے عادی تھے۔ وہ خود ہمیشہ دوسروں کا کھانے پر انتظار کرتے تھے البتہ دوسرے بے نیازی برتتے تھے۔ ایسے اوقات کو وہ بادل نخواستہ گزارا کرتے تھے۔ ضامن صاحب مرحوم کے وسیع و عریض دولت کدہ پر (جو آج بھی ایک عالیشان اور قابل دید عمارت ہے) صبح سے شام تک آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ عزیز دوست، شاگرد، مومن، منافق، شاکر نعمت، کافر نعمت غرض کہ ہر طرح کے نمونے مرحوم کے یہاں دیکھنے کو ملے اور ملتے رہے۔ جوش صاحب جو پاکستان جانے کے بعد خود کو مرحوم لکھنے لگے ہیں جب بھی الہ آباد آتے ضامن صاحب ہی

کے یہاں "طلوع" ہوتے۔ ادھر شام ہوئی اُدھر کاگ اُڑا۔ ضامن صاحب مرحوم اگر لاحول نہیں تو استغفر اللہ کی تسبیح ضرور پڑھتے تھے

جہاں تک میرا علم ہے، صرف یوپی ہی میں نہیں، شاید پورے ہندستان کی یونی ورسٹیوں میں ایم۔ اے تک اردو کی تعلیم سب سے پہلے الہ آباد یونی ورسٹی ہی میں شروع کی گئی۔ الہ آباد یونی ورسٹی قائم ہونے کے بعد وہاں اردو فارسی کا ملا جلا شعبہ قائم ہوا تھا۔ ضامن صاحب مرحوم اس وقت ایونگ کرسچین کالج، الہ آباد میں فارسی پڑھاتے تھے۔ وہیں سے الہ آباد یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو فارسی میں لکچرر مقرر ہو کر تشریف لائے جہاں انھوں نے بہت ہی جلد یونی ورسٹی کے ارباب حل و عقد اساتذہ اور اپنے طلبا کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا۔ جھو جھو اپادھیائے، ڈاکٹر سر گنگا ناتھ جھا، جو سنسکرت کے بہت بڑے عالم تھے، یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔ ضامن صاحب کے خلوص، ان کی شرافت، ان کے تدبر اور ان کی لیاقت نے جھا صاحب کو بہت متاثر کیا۔ اس زمانے ہی میں نہیں، بلکہ بہت دنوں بعد تک عربی اور فارسی کے علما اردو زبان کو ایک علاحدہ حیثیت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اردو کے لغت گواہ ہیں کہ اردو زبان کے بیش تر الفاظ نہ فارسی ہیں نہ عربی ہیں۔ پھر بھی چونکہ ایک مدت سے فارسی اور عربی والوں کا تسلط اردو زبان پر چلا آرہا تھا۔ اس لیے وہ اردو کو اپنی گرفت اور تصرف سے چھٹکارا دینے پر تیار نہ تھے اور اسی باعث یونی ورسٹیوں میں اردو فارسی کے مخلوط شعبے قائم ہوئے تھے۔

ضامن صاحب مرحوم اردو کو ایک مکمل زبان سمجھتے تھے اور اسی لیے انھوں نے سب سے پہلے الہ آباد یونی ورسٹی میں شعبۂ اردو کو شعبۂ فارسی سے الگ کرا کے ایک ممتاز مقام دلوایا۔ ڈاکٹر جھا جیسے عالم سے صرف دوستی اور تعلقات کی بنا پر کوئی ایسا کام کرا لینا ممکن نہ تھا جو "پالسی ساز" ہو اور جس کے نتائج صرف یونی ورسٹی تک محدود نہ رہیں لیکن ضامن صاحب مرحوم کے زبردست خلوص اور اردو زبان و ادب کی بے پناہ وکالت (ADVOCACY) نے سر گنگا ناتھ جھا جیسے عالم کو یہ یقین دلایا کہ اردو

فارسی اور عربی سے علاحدہ ایک زبان ہے۔ اس لیے اس کا شعبہ بھی علاحدہ ہونا چاہیے
اردو کے شعبے کو ایک علاحدہ حیثیت دلوانے میں ضامن صاحب کو جو "جہاد" کرنا پڑا
وہ اس دور سے قبل کی بات ہے جب میں ۱۹۳۲ء میں بہ غرض حصول تعلیم ان کے
ساتھ رہنے کے لیے الہ آباد پہنچا۔ لیکن پھر بھی اس دور کے ہنگاموں کی بازگشت
سرِ دلبراں اور حدیثِ دیگراں کی صورت میں سننے کو ملی، اور اسی سے مرحوم کے غیر
معمولی تدبر اور اردو کے لیے ان کے لازوال خلوص کا اندازہ اس عہد میں بھی ہوتا
رہا۔ صبح سے شام تک ان کا دولت کدہ اساتذہ، علما، شعرا، اور اصحاب الرائے
کا مرکز بنا رہتا تھا!۔ میں نے مرحوم کو کبھی تنہا نہیں دیکھا۔ ان کے یہاں جلوت ہی
جلوت تھی، خلوت کا کوئی مقام نہیں۔ آئے دن ادبی محفلیں منعقد ہوتی رہتی تھیں
یہ محفلیں اس ماہانہ مشاعرے کے علاوہ تھیں جو ہر مہینے کے پہلے اتوار کو ہوتا تھا
یہ مشاعرہ طرحی ہوا کرتا تھا اور اس میں پڑھی جانے والی غزلوں کا انتخاب الہ آباد
کے ایک اردو ماہنامے میں شائع ہوا کرتا تھا۔ اس رسالے کا نام "خیابان" تھا
اور اس کے مدیر ضامن صاحب کے ایک شاگرد سید مسیح الزماں تھے، جنھیں بعد
میں ضامن صاحب نے شعبۂ اردو میں لکچرر مقرر کر دیا۔ ان ماہانہ نشستوں میں
سید رفیق حسین بھی نہایت پابندی سے شرکت کیا کرتے تھے۔ انھیں بھی ضامن صاحب
نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دلوا کر شعبۂ اردو میں لکچرر مقرر کر دیا۔ ان ماہانہ مشاعروں میں
جو دوسرے لوگ شریک ہوتے تھے ان میں چند اہم نام نواب آغا علی خاں محمود
مرحوم، سید مومن حسین شعلہ، سید ماجد علی صاحب ایڈوکیٹ مرحوم، دیوان پنڈت
رادھے ناتھ کول گلشن مرحوم اور الہ آباد کے مشہور ریختی گو شیدا دریا بادی کے ہیں
میں نے شیدا مرحوم سے ان کا یہ شعر ضامن صاحب کے ہی یہاں سنا تھا:

کبھی اماں کے مرنے پر بڑے جھگڑے ہوا نکلے
کئی قبریں نئی کھودی گئیں، سب میں چچا نکلے

ان ماہانہ مشاعروں میں کبھی کبھی پروفیسر فراق گورکھپوری بھی تشریف لاتے تھے

فراق صاحب کی تشریف آوری، مخصوص نشستوں میں ہوتی تھی، اور یہ وہ نشستیں ہوتی تھیں جن میں صفی، ظریف، آرزو اور سائل دہلوی وغیرہم بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ لوگ آل انڈیا مشاعروں میں مدعو ہوا کرتے تھے اور ضامن صاحب کے یہاں ٹھہرتے تھے۔

اللہ اللہ وہ بھی کیا دور تھا جب الہ آباد کا چپہ چپہ اردو کے شعر و ادب کی گلبانگ سے گونجا کرتا تھا۔ آئے دن محفلیں، مجلسیں، مشاعرے اور مقاصدے ہوا کرتے تھے۔ عوامی بھی اور خصوصی بھی، اور اس طرح کی ہر محفل ضامن صاحب مرحوم کے بغیر تقریباً ناممکن العمل سمجھی جاتی تھی۔ مسلم بورڈنگ ہاؤس الہ آباد یونی ورسٹی کا سالانہ مشاعرہ پورے ملک کے شعرا کو اپنے یہاں سمیٹ لاتا تھا بلکہ یہ عرض کروں تو بیجا نہ ہوگا کہ اس عہد کے تمام نامور شعرا اس عظیم ادبی اجتماع کا سال بھر انتظار کیا کرتے تھے۔ انھیں مشاعروں میں میں نے حفیظ جالندھری، روش صدیقی، سائل دہلوی، کیفی چریا کوٹی، ہادی مچھلی شہری، صفی لکھنوی، ظریف لکھنوی، بےخود موہانی، محشر لکھنوی، جگر مرادآبادی، احسان دانش، فراق گورکھپوری اور جوش ملیح آبادی جیسے مایۂ ناز شعرا کو دیکھا ان کے اشعار سنے اُن کے انداز و اطوار بھی دیکھے۔ ان میں سے بیش تر کو ضامن صاحب مرحوم کے یہاں قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔

مسلم بورڈنگ ہاؤس کے مشاعروں کی سرپرستی، الہ آباد ہائی کورٹ کے جج اور وہاں کے ممتاز وکلا اور بیرسٹر کیا کرتے تھے۔ سر تیج بہادر سپرو، سر شاہ محمد سلیمان، پنڈت کیلاش ناتھ کاٹجو، جسٹس ولی اللہ وغیرہ نہ صرف اس مشاعرے میں دل کھول کر مالی تعاون دیتے تھے بلکہ پوری رات نہایت دلچسپی سے مشاعرے میں بیٹھے رہتے تھے مسلم بورڈنگ ہاؤس کے مشاعروں کی نظامت ضامن صاحب ہی اکثر و بیشتر کیا کرتے تھے۔ آل انڈیا مشاعروں کی نظامت بجائے خود ایسا فن ہے جسے اکتسابی نہیں کہا جاسکتا۔ ضامن صاحب میں بڑے بڑے مشاعروں کو چلانے کی وہبی صلاحیتیں تھیں کس شاعر کو کہاں پڑھا جائے۔ مشاعرے کے پورے دور میں حسب موقع کہاں اور

کس طرح گفتگو کی جائے، مختلف مواقع کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے شاعروں کی نفسیات اور سامعین کے رجحانات میں کبھی کبھی تصادم ہونے کا جو امکان پیدا ہو جاتا ہے اس سے کس طرح بچا جائے، اسے ضامن صاحب سے بہتر اس دور میں کسی نے نہیں سمجھا مسلم بورڈنگ ہاؤس کے ایک مشاعرے میں ضامن صاحب نظامت فرما رہے تھے جوش صاحب "فرزندانِ ایسٹ انڈیا کمپنی" اور "تلاشی" کہہ چکے تھے۔ پہلی نظم ضبط ہو چکی تھی۔ جوش صاحب ضامن صاحب کے مہمان تھے۔ مشاعرے میں جب انھوں نے اپنی بیاض کھولی تو ایک بزرگ نے ان کے کان میں کچھ کہا میں نے دیکھا کہ جوش کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ بیاض بند کی اور دوسری نکالی، اور یہ اعلان کیا کہ ان کا ارادہ ضبط شدہ نظم پڑھنے کا نہ تھا۔ مگر یہ کہہ کر کہ وہ نظم نہ پڑھی جائے ان کی رگِ حمیت کو بھڑکا یا گیا اور اب وہ وہی نظم پڑھیں گے۔ چنانچہ پوری نظم سُنا کر مانے۔

ان مشاعروں میں شریک ہونے والے بہت سے شعرا ضامن صاحب ہی کے مہمان ہوتے تھے۔ دو چار دن پہلے آتے تھے اور چار پانچ دن بعد جاتے تھے۔ صبح کے ناشتے پر، دوپہر کے کھانے پر، شام کی چائے پر اور رات کے ماحضر پر مہمان شعرا کے ساتھ تقریباً روزانہ کچھ بُلائے ہوئے اور کچھ عین وقت پر آنے والے ادیب اور شاعر بھی شریکِ طعام ہوا کرتے تھے اور اس طرح تقریباً دس بارہ دن تک ضامن صاحب کا گھر ایک مشاعرہ گاہ بن جاتا تھا۔ اسی زمانے میں الہ آباد کے دوسرے اردو دوست بھی اپنے یہاں ان شعرا کو مدعو کرتے تھے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر شاہ محمد سلیمان مرحوم بالالتزام اسی زمانے میں منتخب مہمان شعرا اور ممتاز مقامی شعرا کی ایک نشست کیا کرتے تھے۔ ان نشستوں میں ضامن صاحب نہ صرف شریک ہوتے تھے بلکہ ان کی شرکت محسوس کی جاتی تھی۔

سر تیج بہادر سپرو کو جب برٹش گورنمنٹ نے پریوی کونسلر بنایا تو پنڈت رادھے ناتھ کول گلشن نے ایک آل انڈیا مشاعرے کا اہتمام کیا۔ یہ مشاعرہ شب یک شنبہ

کو شروع ہو کر شب دوشنبہ کے اختتام پر علی الصباح کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ پورے مشاعرے کی صدارت سر شاہ سلیمان مرحوم نے کی۔ موجودہ دور کے برخلاف اُس زمانے کے مشاعرے طرحی ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اس مشاعرے میں بھی طرح دی گئی۔ مصرعِ طرح تھا:

کیا دکھاتا ہے ہمیں جا کے یہاں دیکھیے

اس عظیم الشان ادبی اجتماع کا اہتمام بھی ضامن صاحب ہی کے مشوروں کے مطابق ہوا۔ وہ دور جس کا میں ذکر کر رہا ہوں ضامن صاحب کے لیے کافی صبر آزما تھا۔ اگر وہ ایک جانب الہ آباد کے علمی و ثقافتی حلقوں میں بے حد ہر دل عزیز تھے تو کچھ لوگوں کی نظر میں کھٹکتے بھی تھے۔ اس لیے کہ ان لوگوں سے ضامن صاحب کا اثر اور نفوذ نہیں دیکھا جاتا تھا۔ کبھی خفیہ کبھی علانیہ ضامن صاحب پر اور ان کی ادبی صلاحیتوں پر اعتراضات کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ہندستانی اکیڈمی سے نکلنے والے ایک سہ ماہی رسالے کے نام پر جو بحثیں چلیں وہ اس عہد کے اخباروں اور رسالوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ہندستانی اکیڈمی کے کسی پرچے میں "تماہی" کا لفظ استعمال ہوا تھا۔ ضامن صاحب نے اس لفظ کی ترکیب پر اعتراض کیا جس کے نتیجے میں مدتوں بحثیں چلتی رہیں۔

ضامن صاحب اپنے عقائد میں نہایت راسخ تھے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے عقائد پر بھی اس حلقے سے یہ سمجھ کر چوٹیں کی گئیں کہ ضامن صاحب عربی سے نابلد ہیں اور مذہبی تاریخ اور روایات سے بھی مقابلتہً ناواقف۔ اس لیے اس میدان میں تو بہر حال انھیں نیچا دکھایا جا سکتا ہے لیکن یہ میدان بھی ضامن صاحب ہی کے ہاتھ رہا اور لوگوں کو بالآخر خاموش ہونا پڑا۔

ہندوستانی اکیڈمی نے جو اب بھی ہندوستانی اکیڈمی کے نام سے قائم ہے مگر جس میں اردو کے متعلق اب کوئی کام نہیں ہوتا، اردو کی ترقی اور اس کی ترویج کے لیے ایک سروے کمیٹی بنائی تھی جس کے صدر غالباً تارا چند صاحب تھے اور سکریٹری

ضامن صاحب۔ اردو سرے کمیٹی رپورٹ کے نام سے جو تاریخی دستاویز مرتب ہوئی تھی، وہ آج بھی موجود ہے ۔۔ نہ صرف موجود ہے بلکہ اس صدی کی تیسری دہائی میں اردو کے ماخذ، اس کی تاریخ اور الفاظ کی تحقیق سے متعلق اس سے بہتر کوئی دوسری دستاویز اس عہد میں نہ تھی۔ چنانچہ یہی رپورٹ بنیاد بنی ان کاموں کی جو ہندوستانی اکیڈمی نے اردو کی ترقی اور بہبود کے لیے اس وقت تک کے لئے جب تک اس کا مقصد اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ادب کو پروان چڑھانا تھا۔

رسم خط کا مسئلہ

جہاں تک مجھے یاد ہے ہندوستانی اکیڈمی کے جلسوں میں نہایت شدت کے ساتھ یہ بات اٹھائی گئی کہ چونکہ اردو کا رسم خط دراصل فارسی کا رسم خط ہے، اس لیے اُسے بدلا جائے۔ شاید ضامن صاحب ہی وہ تنہا فرد تھے جنھوں نے نہایت سائنٹفک انداز میں اردو کے رسم خط کو فارسی رسم خط کہے جانے پر اعتراض کیا اور ان حروف اور ان کی آوازوں پر خاص طور سے زور دیا جو ہمارے رسم خط میں فارسی سے آئے ہیں، نہ عربی سے۔ آج اردو رسم خط کو بدلنے کے لیے اور اس طرح ساری زبان کو مسخ کرنے کے لیے جو شدید بحثیں ہو رہی ہیں اور جو مصنوعی اور غیر اصولی باتیں کہی جا رہی ہیں، ان سب کی بنیاد جہاں تک میرا علم ہے ہندوستانی اکیڈمی کے اس دور میں پڑ چکی تھی اور اس لیے بھی ضامن صاحب کی اردو دوستی اور اردو سے متعلق ان کی دور اندیشی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

ضامن صاحب کے دور میں جہاں اردو زبان و ادب سے دل چسپی رکھنے والوں کی تعداد کم نہ تھی وہیں اُس کی رہ میں حائل ہونے والے بھی قابل لحاظ حد تک موجود تھے اور یہ محاذ اندرونی اور بیرونی دونوں حیثیتوں سے قائم تھا۔ اردو دوستوں کو شعبۂ اردو کی ترقیاں اس لیے نہیں بھاتی تھیں کہ ضامن صاحب اُس کے سربراہ تھے اور دوسرے قسم کے لوگوں کی مخالفتیں تو بہرحال سمجھی جا سکتی ہیں۔ ضامن صاحب کو جن مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ان کی تہہ میں منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ

بھی تھا کہ وہ اپنی دھن کے پکے اور رائے کے مضبوط اور جذبے کے شدید انسان تھے وہ جو فیصلہ کرتے تھے اس پر اٹل رہتے تھے اور ان فیصلوں کو روبہ کار لانے میں لوگ ان کے ساتھ آئیں، نہ آئیں یا مخالفت کریں، وہ بہر حال اپنی کشتی آپ کھینے کے قائل تھے۔

ہائی اسکول کے امتحان میں ایک پرچہ خط شکست کا بھی ہوتا تھا۔ انٹرمیڈیٹ بورڈ نے یہ طے کیا کہ اس پرچہ کو ختم کر دیا جائے تاکہ مصارف بچ جائیں۔ ضامن صاحب کو یہ فیصلہ گراں گزرا، مگر مجبور تھے۔ بورڈ نے ایک مکمل پرچے کی حیثیت سے خط شکست کو ختم کر دیا تھا مگر ضامن صاحب نے بحیثیت کنوینر اردو کمیٹی پندرہ نمبر کا سوال خط شکست کی صورت میں ہائی اسکول کے پہلے پرچے میں شامل کر دیا اتنی سی بات بھی اردو کے مخالفین کو نہیں بھائی۔ کمیٹی کے دوسرے دن الہ آباد کے ایک انگریزی روزنامے کمیٹی کی کارروائی کی اشاعت اس عنوان سے کی...

"URDU COMMITTEE LOVES FOR SHIKUSF"

الہ آباد یونیورسٹی میں اور اس سے باہر مختلف تعلیمی تنظیموں اور اداروں میں ان کی ایک پارٹی ہوا کرتی تھی اور وہ اپنی پارٹی کے ساتھ تیرنے اور ڈوبنے کے قائل تھے۔ الہ آباد یونیورسٹی ہو کہ یوپی بورڈ، راجپوتانہ بورڈ ہو کہ آگرہ یونیورسٹی ــــ ہر جگہ انھیں کی پارٹی کا نفوذ جاری و ساری رہا اور پنڈت امرناتھ جھا مرحوم جو الہ آباد یونیورسٹی کے اس وقت تک وائس چانسلر رہے جب تک انھوں نے رہنا چاہا، اس پارٹی کے سربراہ تھے۔ وہ انگریزی، ہندی اور سنسکرت کے غیر معمولی عالم تو تھے ہی لیکن اردو پر جو انھیں وقوف حاصل ہوا یا اردو شعر و ادب سے جو غیر معمولی دل چسپی پیدا ہوئی اس کا شاید واحد سبب ضامن صاحب کی دوستی تھی۔ جھا صاحب شعرائے اردو کے جلسوں میں تشریف فرما ہوتے تھے ان کی صدارت کرتے تھے۔ اپنے گھر پر اردو شعرا کی نشستیں کرتے تھے اور اردو شعرا پر مضامین لکھتے تھے۔ پروفیسر مہدی حسن ناصری مرحوم کے کلام کی اشاعت جھا صاحب نے اپنے مصارف سے

کرائی تھی۔ اس کا نام "نذر احباب" رکھا اور دوستوں میں مفت تقسیم کیا۔ غالباً ریاض خیر آبادی کے خمریات پر بھی امرناتھ جھا صاحب کا ایک مضمون میری نظر سے گزرا ہے اور ڈاکٹر سچیدانند سہنا نے ڈاکٹر اقبال پر جو ایک غیر معمولی کتاب لکھی ہے اس پر بھی امرناتھ جھا صاحب کا ایک نہایت وقیع مقدمہ شائع ہوا ہے۔

شعبۂ اردو

سن ۳۲ء میں الہ آباد یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ضامن صاحب سمیت تین اساتذہ تھے۔ ضامن صاحب صدر شعبہ، ڈاکٹر حفیظ سید صاحب مرحوم اور سید اعجاز حسین صاحب مرحوم جو بعد میں ڈی لٹ ہو کر ڈاکٹر سید اعجاز حسین کہلائے۔ ڈی لٹ کی تھیسس ضامن صاحب کی نگرانی میں لکھی گئی۔ ان کے بیرونی ممتحن ڈاکٹر عبدالحق سر عبدالقادر تھے اور اندرونی ممتحن ضامن صاحب تھے۔

جولائی ۱۹۴۱ء میں جب میں نے یونی ورسٹی چھوڑ کر آگرہ کالج میں مدرسی شروع کی تو شعبۂ اردو میں ایک LADY TEACHER کا تقرر ہوا۔ ۱۹۴۱ء کے بعد سے ضامن صاحب کی کوششوں کی بدولت شعبۂ اردو میں وسعت ہوتی رہی اور ایک کے بعد ایک استاد کا اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۴۴ء میں ایک لکچرر شپ اور بڑھی اور اس پر ڈاکٹر سید رفیق حسین مقرر ہوئے۔ پھر غالباً ۴۸-۴۷ء کے تعلیمی سال میں ایک (READERSHIP) آئی جس پر حفیظ سید صاحب مرحوم کا تقرر ہوا اور ان کے (RETIREMENT) کے بعد اعجاز صاحب اس جگہ پر فائز ہوئے۔ پھر تو جگہیں آتی گئیں اور لوگ مقرر ہوتے گئے۔ ڈاکٹر عقیل، ڈاکٹر ظل حسنین، ڈاکٹر جعفر رضا وغیرہ اور اب الہ آباد یونی ورسٹی کا شعبۂ اردو جن لوگوں پر مشتمل ہے ان کی مجموعی تعداد تقریباً آٹھ ہو گئی۔ ایک چھوٹا سا پودا جو اب سے تقریباً پچاس سال پہلے لگایا گیا تھا، ضامن صاحب مرحوم کی مسلسل محنت کوشش اور لگن کے باعث اب ایک تناور درخت ہو گیا ہے۔ اس شعبے میں اس وقت جتنے لوگ بھی ہیں اُن میں بیشتر ضامن صاحب کے شاگرد ہیں۔

ضامن صاحب کے شاگرد

جس بزرگ نے ایک چوتھائی صدی سے زیادہ الہ آباد یونیورسٹی میں پڑھایا ہو ظاہر ہے اس کے شاگردوں کی تعداد کثیر ہوگی اور اس کے تمام و کمال ذکر ممکن نہیں لیکن ضامن صاحب کے شاگردوں میں جنھوں نے آگے بڑھ کر نام پیدا کیا، کچھ یہ ہیں ۔۔۔ ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر رفیق حسین، ڈاکٹر مسیح الزماں، پروفیسر احتشام حسین مرحوم، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر ابو محمد سحر، پروفیسر وقار عظیم، ڈاکٹر حامد بلگرامی، ابو طالب نقوی مرحوم آئی۔سی۔ایس، غفران احمد فاروقی آئی سی ایس فضل احمد کلیم، تاج نقوی آئی۔سی۔ایس وغیرہ۔

شاعری میں ضامن صاحب مرحوم اپنے نانا نیساں الہ آبادی کے شاگرد تھے شاید اسی رعایت سے شعبۂ اردو سے نکلنے والے مجلے کا نام "نیساں" رکھا تھا نیساں الہ آبادی کا سلسلہ تلمذ شاید ناسخ تک پہنچتا ہے۔ ضامن صاحب کے ددھیال والے آتش کے قائل تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی یعنی میرے والد مرحوم علی میاں صاحب کامل لکھنوی کے شاگرد تھے اور آتش کے دلدادہ۔ مصطفیٰ آباد میں انیس اور آتش کا بول بالا تھا۔ ضامن صاحب کی شاعری میں دونوں رنگ ملتے ہیں۔ انتخاب الفاظ و تراکیب میں وہ ناسخ کی طرح ثقہ تھے تو جذبات دلی کے بیان میں آتش کا انداز اختیار کرتے تھے۔ اس طرح ان کا کلام گنگا جمنی ہو گیا ہے۔ ضامن صاحب نے تقریباً ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ۔۔۔ غزل۔ قصیدہ، مرثیہ، رباعی، سلام اور واسوخت وغیرہ مگر ان کا خاص رنگ قصیدوں اور غزلوں میں ملتا ہے۔ قصیدوں میں نانا کی مشاقی اور استادی ہے تو غزلوں میں ددھیال کی نفاست و شیرینی۔ ان کی ایک نظم "فریاد اردو" کا بطور خاص ذکر کرنا ضروری ہے یہ نظم ظریف لکھنوی کو اس قدر پسند آئی کہ انھوں نے اپنے معرکتہ الآرا "شہر آشوب" کو اس سے پیوند کر دیا۔ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ پیوند کم خواب میں کم خواب کا پیوند ہے۔

ضامن صاحب کی جن تصانیف کا مجھے علم ہے ان میں ان کے اشعار کا ایک پورا دفتر ہے جو ہزار ہا صفحات پر محیط ہے ۔۔۔ اردو سروے کمیٹی رپورٹ ہے جو اردو زبان و ادب کے نام سے شائع ہوئی۔ الہ آباد کے اردو شعرا کا ایک نہایت ضخیم تذکرہ ہے جس کے بعض اجزا کتابی شکل میں ان کی زندگی میں شائع ہو گئے تھے

کشمیر سے متعلق ان کی ایک کتاب بھی ہے۔ یونی ورسٹی کا شعبۂ اردو ان کی رہبری میں دو شان دار مجلے نکالتا تھا جن میں ریسرچ کے موضوعات پر مضامین ہوتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں جب یونی ورسٹی نے اپنی گولڈن جبلی منائی تو "نیسان" کا جبلی نمبر ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے کتب خانوں میں رکھا گیا۔ یہ علمی کام ضامن صاحب کی ادارت و نگرانی میں ہوا۔

ضامن صاحب مرحوم کو پنڈت جواہر لال نہرو نے مجاہد اردو کا لقب دیا تھا پنڈت نہرو بین الاقوامی شہرت کے سیاسی مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مورخ اور ادیب بھی تھے۔ پنڈت جی کو وزارت عظمیٰ کی اہم ترین ذمہ داریوں میں بھی ضامن صاحب کے وہ کارنامے یاد رہے جن کی بنا پر انھیں مجاہد اردو کا گراں قدر لقب عطا ہوا اور اب ۱۹۸۰ء میں لائق فخر باپ کی لائق فخر بیٹی مسز اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں جب ضامن صاحب کی سنٹری منائی گئی تو ان کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف ڈپارٹمنٹ نے ۳۰ پیسے کا ایک ٹکٹ بھی جاری کیا وزیر اعظم اور حکومت ہند کا اس اقدام کے لیے جس قدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ ضامن صاحب کے فرزند ارجمند مظہر حید رسلمہ نے ضامن سنٹری کا شان دار جلسہ سینیٹ ہاؤس الہ آباد یونی ورسٹی میں منعقد کیا جس کی صدارت پروفیسر فراق جیسے ادیب، شاعر اور دانش ور نے کی۔ اور ضامن صاحب کو "اردو کا فادر" کے لقب سے یاد کیا۔

ضامن صاحب کی بڑی بیٹی فاطمہ حسن مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کی غزلوں کا ایک مجموعہ شائع کر دیا اور اب دوسرا ترتیب دے رہی ہیں نورنظر امیر حسن سلمہ آئی۔ اے۔ ایس بھی مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے اشاعت کے سلسلے میں اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود پوری توجہ اور گہری دل چسپی کے ساتھ تعاون دے کر حق فرزندی ادا کیا۔

سید نجم الدین نقوی

۱۲۔ آ۔ قلعہ معلی۔ رام پور یو، پی

کلامِ ضامن

"کلام ضامن" پیش نظر ہے۔ والد محترم جناب پروفیسر ضامن علی ضامن مرحوم صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی کی غزلیات کا یہ دوسرا مجموعہ ہے۔

پہلا مجموعہ غزلیات "ضامن" شعری و ادبی حلقوں میں قدردانی اور مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ ان کی بقیہ غزلوں کی اشاعت کے لیے ضامن صاحب مرحوم کے قدردانوں اور شعر و ادب کے شائقین کا حوصلہ افزا اصرار پیہم تھا جس کا احترام بہرصورت مجھے رہا اور اس کا حاصل "کلام ضامن" کتابی صورت میں ناظرین کے سامنے ہے۔

جناب ڈاکٹر شبیہ الحسن نونہروی صدر شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی کی میں نہ صرف اس لیے شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اس مجموعہ کے لیے گرانقدر "پیش لفظ" لکھنے کی زحمت فرمائی بلکہ اشاعت و طباعت کے سلسلے میں پوری توجہ و دلچسپی کے ساتھ بخوبی ہر ہر قدم پر میری رہنمائی بھی کی ہے۔

جناب ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے پہلے مجموعہ غزلیات "ضامن" کے لیے پیش لفظ لکھنے کے بعد اس مجموعہ "کلام ضامن" کے لیے "حرفے چند" لکھ کر مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا۔

مجموعہ کے چند اوراق پر سیّد بھیا (جناب نجم الدین نقوی صاحب) کے تاثرات تحریر ہیں۔ ممنون ہوں کہ اس طور ان کا تعاون حاصل و شامل رہا۔

محترمی خواجہ انوارالدین احمد صاحب نامی پریس لکھنؤ کی مشکور ہوں کہ انھوں نے وقت کی کمی کے باوجود طباعت و اشاعت کے مراحل آسان کر دیے۔

فاطمہ حسن

۲۵ گلستاں کالونی لکھنؤ

۳۰ مارچ ۱۹۸۱ء

پروفیسر ضامن علی ضامن

حرفے چند

پروفیسر ضامن علی مرحوم کی علمی و ادبی خدمات محتاج تعارف نہیں ہیں۔ مرحوم نے کئی نسلوں کو متاثر کیا ہے انگریزی اور اردو زبانوں پر انھیں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔

صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی کی حیثیت سے اگر ایک طرف اپنے تلامذہ کو استفادہ پہنچاتے رہے تو دوسری طرف اردو زبان و ادب کے خزانے میں بیش بہا اضافہ فرماتے رہے۔

'کلام ضامن' حیات و تجربات و مشاہداتِ ضامن کا آئینہ دار ہے۔ سلیس و بامحاورہ زبان، شگفتہ و رواں اندازِ بیان۔ کلام زبان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

"کلام ضامن" مرحوم کی غزلیات کا مجموعہ ہے مجموعہ کی اشاعت سے شعری دنیا میں مفید اور اہم اضافہ ہے۔

شجاعت علی سندیلوی

۱۷۔ اشفاق اللہ مارگ لکھنؤ

فہرست غزلیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس جگہ مرے غمِ دل کا بیاں ہو جائے گا
خاک کا ہر ذرہ چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا

حشر میری آہ سے اک دن عیاں ہو جائے گا
منقلب سارا زمین و آسماں ہو جائے گا

جلوہ گاہ دوست ہے میرے لیے سارا جہاں
خم جہاں گردن کروں گا آستاں ہو جائے گا

ذوقِ درد و غم ستائے گا نہ تھی اس کی خبر
دل ہمارے واسطے اک آسماں ہو جائے گا

دل کو برمائیں گی فریادیں دلِ بیتاب
نالہ جو فرقت میں نکلے گا سناں ہو جائے گا

تم نہ یوں تیوری چڑھا کر بزم میں دیکھو ہمیں
اس سے اک عالم کا عالم بدگماں ہو جائے گا

نورِ حیرت چشمِ حق بیں میں ذرا آنے تو دو
سات پردوں میں نہاں جوہر عیاں ہو جائے گا

کیوں کہو ضامن زباں سے واردات حُسنِ عشق
حال جو دل کا ہے وہ رُخ سے عیاں ہو جائے گا

— —

خلق میں سودائے الفت کو مرا سر رہ گیا
اور میرے سر کو تیرے در کا پتھر رہ گیا

دیکھ کر اس کو ادھر آئینہ ششدر رہ گیا
اس طرف اپنا سا منھ لے کر وہ دلبر رہ گیا

خار وہ ہے جو مرے پاؤں میں چُبھ کر رہ گیا
پھول وہ ہے ان کے جو بالائے بستر رہ گیا

وہ صنم میرے دلِ سوزاں میں آ کر رہ گیا
کہ تماشا ہے کہ چنگاری میں پتھر رہ گیا

رہرو راہِ محبّت سب سے رُخصت ہو چکا
اب گلے ملنے کو بس قاتل کا خنجر رہ گیا

عمر بھر پیسیں گے مثل آسیا مجھ زار کو
آسمانوں کے مقدّر میں یہ چکّر رہ گیا

کعبہ و بُت خانہ شیخ و برہمن سے چھُٹ گئے
سر جھکانے کو اب اس کے در کا پتّھر رہ گیا

جن کے قدموں پر جھکاتا تھا زمانہ اپنا سر
خلق کی ٹھوکر کو ان کا کاسۂ سر رہ گیا

وعدہ کا ایفا نہ کرنا ان کی عادت ہو گئی
اور کھانے کو قسم جھوٹی سراسر رہ گیا

دل ہے گھر اللہ کا برباد کرتے ہیں اسے
ان بتوں کو اب خدا کا بھی نہ کچھ ڈر رہ گیا

جاں کنی کی حد بتانے کو ترے مہجور کی
پر شکن سمٹا ہوا اک اس کا بستر رہ گیا

عشق میں مایوس ہونے پر بھی رہتی ہے امید
باندھ کر میں کوچۂ جاناں میں بستر رہ گیا

تیر اوروں پر لگایا اور میں بسمل ہوا
اس نے دیکھا غیر کو یاں دل تڑپ کر رہ گیا

سیر گر ہے دیکھنی میرے دلِ مضطر کی دیکھ
مرغِ بسمل کا تماشا کیا پھڑک کر رہ گیا

دیکھئے اس رشک میں بنتی ہے یارب کس طرح
اس کو آنکھوں نے جو دیکھا دل تڑپ کر رہ گیا

فیلِ شب کو کر دیا غائب بساطِ دہر سے
وصل میں یہ آسماں کیا چال چل کر رہ گیا

بند کر دی تیری رحمت نے زباں بد خواہ کی
دیکھ کر واعظ مرا منھ روزِ محشر، رہ گیا

چھیڑ دی اپنی شبِ غم کی جو میں نے داستاں
دن ہوا آخر حسابِ اہلِ محشر رہ گیا

چشم میگوں کا تصوّر دل سے جاتا ہی نہیں
عشق کے اعجاز سے شیشہ میں ساغر رہ گیا

دیکھ اے بلبل یہ ہے شبنم کے رونے میں اثر
ہو کے وا آخر کو آغوشِ گُلِ تر رہ گیا

اے معاذ اللہ یادِ خارِ ترکاں کی خلش
چُبھ کے گویا جسم کی رگ رگ میں نشتر رہ گیا

ضامنؔ اس برقِ تجلّی کا ہے خلوت گاہ دل
جس کے اک جلوے سے کوہِ طور جل کر رہ گیا

-- --

اک آفت دل حسرت مآب ہوتی ہے
بتائیں کیا کہ محبّت عذاب ہوتی ہے

عجیب نور کی بزم شراب ہوتی ہے
زمین رشک دہِ آفتاب ہوتی ہے

دلوں کے واسطے جو اک عذاب ہوتی ہے
وہ ان حسینوں کی فصل شباب ہوتی ہے

زمینِ دل سے نجاست کو غم کے کھوتی ہے
شراب سچ تو یہ ہے آفتاب ہوتی ہے

غضب میں جان حسینوں کی رکھتے ہیں عشاق
یہ صورت ان کی انھیں خوش دعذاب ہوتی ہے

اٹھائیں آکے وہ میّت نہ جائیں مرقد تک
کسی غریب کی مٹّی خراب ہوتی ہے

وہاں تو قتل ہوا نامہ بر یہاں یہ خوشی
کہ دیر سے کچھ امیدِ جواب ہوتی ہے

غضب یہ رہتی ہے غالب سدا تری رحمت
طلب یہ کیوں مری فردِ حساب ہوتی ہے

شراب پینے وہ جاتے ہیں بام پہ اپنے
دوبالا منزلتِ آفتاب ہوتی ہے

سُنا ہے ہم نے یہ قرآں کے پڑھنے والوں سے
کہ بات بات تری لاجواب ہوتی ہے

نہ دیکھوں حشر میں اے رحمتِ خدا سوئے شیخ
مری نظر اسے وجہِ حجاب ہوتی ہے

وہ رشک مہر جو سوتا ہے شب کو کوٹھے پر
تو مہ میں روشنیٔ آفتاب ہوتی ہے

جبیں پہ خینتا ہے جب کوئی مہ جبیں افشاں
زمین عرش بریں کا جواب ہوتی ہے

شہید تیغ جفا کے ہیں زندۂ جاوید
جہاں میں آب بقا اس کی آب ہوتی ہے

ہو رند گر ہے تمنائے ترکِ دنیا شیخ
کہ دافعِ غمِ عالم شراب ہوتی ہے

وہ بے حجاب کبھی گر ہوں تو کون دیکھ سکے
ضیائے چہرۂ روشن نقاب ہوتی ہے

اس ارضِ پاک پہ پہنچوں میں جلد اے ضامنؔ
کہ جس زمین پہ سرکہ شراب ہوتی ہے

تیغ نگاہِ یار عجب کام کر گئی
آنکھوں کی راہ سے مرے دل میں اتر گئی

عالم کو ہمدمی مری دیوانہ کر گئی
شب ہولناک چاک گریباں سحر گئی

کیا کیا بتائیں آپ سے کیا ظلم کر گئی
اک بات رہ گئی شب فرقت گزر گئی

گھائل تری نظر جسے اک بار کر گئی
لذّت خلش کی دل سے نہ پھر عمر بھر گئی

بعد از فنا کھلے گُلِ زخمِ بدن تمام
میّت پہ میری آئے وہ مٹّی سنور گئی

جادو بھری نگاہ کی تاثیر کیا کہیں
بس دیکھتے ہی دیکھتے دل میں اتر گئی

ہر ذرّہ یاں کا آئینۂ روئے دوست تھا
آیا نظر وہی جدھر اپنی نظر گئی

دل ہے فگار سینہ پہ لیکن نشاں نہیں
تیغِ نگاہِ ناز عجب کام کر گئی

نیرنگیوں کو عشق کی ہم دیکھتے رہے
بگڑی کبھی کبھی مری قسمت سنور گئی

جو جوہرِ حیات تھے وہ سب فنا ہوئے
حسرت کبھی آئی گر کوئی دل میں تو مر گئی

دم آگیا لبوں پہ نہ آئی مگر اجل
شاید سیاہیِ شبِ فرقت سے ڈر گئی

افلاس اور حضرتِ زاہد کی مے کشی
بازار میں جناب کی پگڑی اتر گئی

تقدیر کی بگاڑ کا آساں نہیں بناؤ
کیا زلف ہے کہ ہاتھ لگا اور سنور گئی

مایوس لطفِ یار کے جینے کی کیا اُمید
جو آرزو تھی زیست کا باعث وہ مر گئی

ضامن نشاط و عیش کی اک رات تھی مگر
جھپکی ذرا جو آنکھ جوانی گذر گئی

--

چھائی رہتی ہے گھٹا غم کی دلِ ناشاد پر
کیا برستی ہے اُداسی خانۂ برباد پر

جب نہ بہرِ قتل دستِ نازکِ قاتل اٹھا
رکھ دیا میں نے گلا خود خنجرِ فولاد پر

ہمصفیرانِ چمن کی آہِ سوزاں کے نثار
بجلیاں گرنے لگی ہیں خانۂ صیّاد پر

میری نظروں میں ہے ایک انجام ہجر و وصل کا
آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں مبارکباد پر

اشتیاق لذتِ کاوش رگوں کو یہ ہوا
رکھ دیا منھ بڑھ کے نوکِ نشترِ فصاد پر

یاد آیا ہے کہ جاں پرور تھی امیدِ وفا
آفریں کہتا ہے دل اب آپ کی بیداد پر

ایک مشتِ پر کی خاموشی قیامت ہو گئی
مُردنی چھائی ہوئی ہے خانۂ صیّاد پر

اشک افشاں ہوں میں ضامن دل کی ویرانی پہ یوں
ابرِ رحمت جیسے برسے گلشنِ برباد پر

روندے تربت مری قدموں سے ایسا کیجیے
زیر بارِ منتِ نقشِ کفِ پا کیجیے

شہر ویراں کیجیے آباد صحرا کیجیے
منقلب حسنِ جنوں افزا سے دنیا کیجیے

کھینچ کر نقشہ تصوّر میں رخِ محبوب کا
صورتِ تصویر ہر دم اس کو دیکھا کیجیے

ہر قدم پر سر کے بل چلیے طریقِ عشق میں
ٹھوکریں کھا کھا کے طے یہ سخت رستا کیجیے

درد کی ٹیسوں نے کچھ ایسا مزا ہم کو دیا
چاہتا ہے دل کہ ساری عمر تڑپا کیجئے

بزمِ عالم میں ہیں سب نا آشنائے دردِ عشق
ایسے بیگانوں میں رازِ غم نہ افشا کیجئے

قطع مقتل میں سر و خنجر کا جھگڑا کیجئے
میری ہستی کو مٹا کر پاک قصّہ کیجئے

بحرِ غم کی بے بسی کا مختصر سا ہے یہ حال
ڈوبتی ہو کشتیِ دل آپ دیکھا کیجئے

کیوں نہ ہو بدنام مجنوں مجمعِ عشّاق میں
وہ جنوں کیا جب تمیزِ شہر و صحرا کیجئے

کہہ رہا ہے گلشنِ ہستی میں انجامِ خوشی
مثلِ شبنم خندۂ گل پر بھی رویا کیجیے

حضرتِ ضامنؔ تلوّن ہے مزاجِ یار میں
آپ بھی مثلِ زمانہ رنگ بدلا کیجیے

نگاہِ سیر بیں سے حُسن عالمگیر دیکھیں گے
ہم اس شیشہ میں رکھ کر آپکی تصویر دیکھیں گے

کنارِ شوق میں وہ بن بلائے کھنچ کے آجائیں
مدد اے جذبۂ دل ہم تری تاثیر دیکھیں گے

نہ جائے گا کبھی دل سے خیالِ عارضِ روشن
اس آئینہ کے اندر ہم تری تصویر دیکھیں گے

نشاں ڈھونڈیں گے ہر آوارۂ دشتِ محبّت کا
ہم اپنی سرنوشت اے کاتبِ تقدیر دیکھیں گے

مجھے کوشش کہ رازِ دل رہے بس دل کے پردے میں
اُنھیں کاوش کہ تیرِ ناز کی تاثیر دیکھیں گے

مرے جاتے ہیں اہلِ بزم شہرت حُسن کی سُن کر
قیامت ہوگی برپا جب تری تصویر دیکھیں گے

انھیں شام و سحر آرائشوں سے اپنی کب فرصت
وہ کیوں آ کر مری نیرنگیٔ تقدیر دیکھیں گے

صدائے قم باذنی سے حیات اب غیر ممکن ہے
ترا اعجاز بھی اب اے دمِ شمشیر دیکھیں گے

سرابِ نامرادی ہو کہ طوفانِ حوادث ہو
غرض جو کچھ دکھائے گی ہمیں تقدیر دیکھیں گے

ہماری موت افسانہ کہے گی یاس و حسرت کا
ہم اپنی خامشی میں قوتِ تقریر دیکھیں گے

سرِ مقتل تماشہ ہوگا ضامنؔ دید کے قابل
ہم اپنے دل کو دیکھیں گے وہ اپنا تیر دیکھیں گے

--

آہوں سے سرد داغِ دلِ زار ہو گئے
آندھی میں گل چراغِ شبِ تار ہو گئے

تاثیر اہل دل پہ ہوئی حسنِ یار کی
جو کام کے تھے لوگ وہ بیکار ہو گئے

نظارۂ جمال رخ و بوئے زلف سے
بیہوش ہو گئے کبھی ہشیار ہو گئے

جد ہے کوئی تصوّرِ مژگانِ یار کی
گلشن نظر میں وادیٔ پرخار ہو گئے

تُربت پہ میری فاتحہ خواں ان کو دیکھ کر
اہلِ ہوس بھی مرنے پہ تیار ہو گئے

دل کو تمام عمر رہی حسرتِ خلش
جتنے خدنگ آکے لگے پار ہو گئے

ہیں ان کی سرنوشت ہی میں جاں ستانیاں
اَبرو بنے تھے چہرہ پہ تلوار ہو گئے

آیا سمجھ میں حرص وقناعت کا مسئلہ
جب زیرِ دام آکے گرفتار ہو گئے

عالم کو ان کی تیغِ نگہ قتل کر گئی
قسمت سے جو بچے تھے وہ بیمار ہو گئے

لوگوں کے دل الٹتے ہیں صورت کو دیکھ کر
اب تو مرض خود آپ کے بیمار ہو گئے

بچپن تھا ان کا پہلے جواں ہو کے قد بڑھا
خنجر تھے پہلے کھنچ کے وہ تلوار ہو گئے

اُن کو مریض عشق کی بالیں پہ دیکھ کر
کچھ بن گئے کچھ اصل میں بیمار ہو گئے

اللہ رے لُوٹنا ترے کُشتوں کا بعدِ قتل
پست و بلند دہر کے ہموار ہو گئے

تقدیر ہے یہ خیر کہ ضامن ہمارے کام
آسان ہو کے اور بھی دشوار ہو گئے

--

آئینہ گر پہلوئے لیلیٰ شمائل میں رہے
پھر مری دیوانگی کا شک نہ کچھ میں رہے

رازِ الفت سے نہ کیونکر جان مشکل میں رہے
نے زباں پر آئے یہ کمبخت نے دل میں رہے

اضطراب با اثر گر قیس کے دل میں رہے
ایک جنبش خود بخود لیلیٰ کی محمل میں رہے

پوچھنے پر بھی اب اس کے بات کی جاتی نہیں
اتنے دن خاموش ہم اک بت کی محفل میں رہے

خوں نے دامن تک کو ان کے کر لیا اپنا گواہ
اس طرح وہ محوِ سیرِ رقصِ بسمل میں رہے

بعد مرنے کے بھی دکھلائے وفا اپنی جھلک
خون میرا بن کے جوہر تیغِ قاتل میں رہے

کاٹ لیں گے خود گلوں کو اپنے جانبازانِ عشق
ہاں بس اتنا ہو کے خنجر دستِ قاتل میں رہے

نامۂ اعمال محشر میں پڑے ہی رہ گئے
ہاتھ جتنے تھے پھنسے دامانِ قاتل میں رہے

قتل کر کے زندگی بخشی الٰہی تا بہ حشر
دم رہے خنجر میں قوت دستِ قاتل میں رہے

وہ دلِ ویراں میں ہوں اور میں ہوں زنداں میں بند
دشت میں لیلیٰ رہے اور قیس محمل میں رہے

دودِ آہِ قیس خود ہی مانعِ دیدار ہے
لیلیٰ محمل سے جو نکلے بھی تو محمل میں رہے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم اس کو جنونِ عشق میں
جو کہ ہر دم اپنی آنکھوں میں رہے دل میں رہے

سر وہی سر ہے کہ جس سر میں رہے سودا ترا
دل وہی دل ہے محبت تیری جس دل میں رہے

اُلجھنیں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں ان کے سامنے
وہ زباں پر آ نہیں سکتا ہے جو دل میں رہے

اپنا گھر برباد یوں کرتا نہیں کوئی مکیں
خون ہی کر کے بہایا آپ جب دل میں رہے

رازِ الفت گر زباں پر آئے رسوائی بڑھے
داغ پڑ جائیں کلیجے میں اگر دل میں رہے

روئے روشن سے اٹھا دے گر وہ رشکِ گل نقاب
جنگ پھر پروانہ و کبک و عنادل میں رہے

خود ہی گِھس گِھس کر علیحدہ ہو گئیں کڑیاں تمام
اتنے دن تک ان کے دیوانے سلاسل میں رہے

ہے تلاشِ مرگ میں سرگرم یوں عمرِ رواں
راستے ہی میں کہیں ٹھہرے نہ منزل میں رہے

گر خزانوں کی حفاظت چاہتے ہو منعمو
جتنی دولت ہے وہ سب کشکولِ سائل میں رہے

ہر قدم پر نفسِ امّارہ سا رہزن ساتھ ہے
رہ نوردِ راہِ حق ہشیار منزل میں رہے

دل متاعِ صبر کھو کر زلف میں ہے یوں پڑا
جس طرح شب کو مسافر لٹ کے منزل میں رہے

رہروِ معنی بلا رہبر کے ضامنؔ مثلِ نبض
عمر بھر چلتے رہے پر اپنی منزل میں رہے

— —

ؔ منعمو چاہو یہی کھل جائے گر رازِ کرم

یوں ہی دل لینے کے گر عادی رہے گیسوئے دوست
ایک دن خالی نظر آئے گا خود پہلوئے دوست

کام آ جا اس گھڑی اے جنبشِ ابروئے دوست
کھو رہے ہیں آبرو تلوار کی بازوئے دوست

مرغِ دل ہنستے بھی ہیں رہتے بھی ہیں اس میں اسیر
دام بھی ہے اور قفس بھی حلقۂ گیسوئے دوست

پھونک تو دو آسماں کو آہ آتش بار سے
پر خیال آتا ہے رکھتا ہے یہ ظالم خوئے دوست

انقلاب دہر ہے نا واقفو ہنستے ہو کیا
بزم میں ہم بھی کبھی یوں ہی تھے ہم پہلوئے دوست

وائے نادانی کہ اربابِ ہوس کے زعم میں
دوستی ہے خوئے دشمن دشمنی ہے خوئے دوست

ایسی بے ہوشی پہ صدقے کیجئے عالم کے ہوش
جس میں سر کو ہو میسّر تکیۂ زانوئے دوست

گل ہوں یا کانٹے ہوں سب یکساں مجھے محبوب ہیں
ایک میں پاتا ہوں بو اور دوسری میں خوئے دوست

پُشت سے بھی دیکھتا ہوں میں رخِ نیکوئے دوست
گیسوؤں میں دل ہے اور دل میں ہو عکسِ روئے دوست

بال میں آئینہ ہے اور آئینہ میں بال ہے
گیسوؤں میں دل ہے اور دل میں خیال دوست

سخت جاں ہو ذبح کی ضد ہے اسے نازک ہیں ہاتھ
اب تو سینے پر رہے گا دیر تک زانوئے دوست

جو گیا ضامن نہ آیا پھر پلٹ کر اپنے گھر
عالمِ ہستی میں کیا ملکِ عدم ہے کوئے دوست

--

دکھا دے اے جنوں وسعت زبس کوئے جاناں کی
ہمیں منظور ہے آوارگی کوہ و بیاباں کی

سلامت سر رہیں اے قیدیو فصل بہاری میں
گرے گی اور بنے گی روز ہی دیوار زنداں کی

کبھی وحشی ترے صحرا کی جانب گر نکل آئے
اُڑیں گی دھجّیاں دامانِ کہسار و بیاباں کی

لگا دیں گے برابر آج دیواروں میں آئینے
تمھیں ہم سیر دکھلائیں گے گھر بیٹھے پرستاں کی

بہار آئی ہوئے گرم فغاں عشّاق اور بلبل
ہوئی پھر ایک کیفیت بیاباں اور گلستاں کی

تمھارا حُسن آخر انقلاب اور کیا کرتا
بڑھا دی شہر ویراں کر کے آبادی بیاباں کی

شیرین و تلخ کام کند سیمبر مرا
از چشم زہر می دہد از لب شکر مرا

چیزے نیافتم بجہان جز ملال و درد
حاصل شدہ ز نخل حیات ایں ثمر مرا

بے دولت وصال نیارزد بہ نیم جو
بخشند کوہ کوہ اگر سیم و زر مرا

خواب گران عشق رباید نہ شور حشر
چندان بغفلتم کہ نباشد خبر مرا

چون از زبان غیر کنم شرحِ آرزو
رنگ رخم پریده بود نامه بر مرا

از زلف مشکبوئے تو آورد نکہتے
از سر حیات داد نسیم سحر مرا

تصویر طلعتِ تو نماید در انتظار
ہر قطرہ خون کہ می چکد از چشم تر مرا

از لطف جام بادہ عطا می شود بہ غیر
چشمم چو جام غرق بخونِ جگر مرا

ضامن بخواہم اکہ کنم صرف راہ او
عمر حصر خدائے بہ بخشد اگر مرا

--

جھکا کر سر کو ساکت ہو گئے وہ اس شکایت پر
کہ روتی تھی اجل بھی اک مریضِ غم کی حالت پر

نہ آیا جب کوئی بالینِ بیمارِ محبت پر
تڑپ کر حسرتیں روئیں مریضِ غم کی حالت پر

برائی کون سی حاجت جو نقشِ پائے رنگیں سے
چڑھاتا ہے وہ گل پھولوں کی چادر میری تربت پر

سمجھ لے دل میں اے ناصح کہ ہیں مجبور ہم دونوں
زبان پر تجھ کو قابو ہے نہ ہے مجھ کو طبیعت پر

کسی کا ہاتھ کانپا چلتے چلتے رک گیا خنجر
نگاہِ یاس اب تو رحم کر شوقِ شہادت پر

ڈبویا دل نے آنکھوں کو مگر کیا اہلِ دل نکلیں
کہ پھر بھی رو رہی ہیں ایسے دشمن کی مصیبت پر

اگر ہو جائے لذت آشنائے درد و غم زاہد
کرے قربان صبحِ عید کو شامِ مصیبت پر

قفس ہو گا چمن میں دیکھنا اے شوقِ دیدِ گل
بہار آنے پہ گر صیاد نے رکھے سلامت پر

بس اک دلسوز نکلی شمع ساری بزمِ عالم میں
کہ تنہا بیٹھ کر روتی رہی تا صبح تربت پر

--

مرا سوزِ غمِ فرقت بہر صورت نمایاں تھا
دھواں تھا سوزِ دل کا یا سوادِ شامِ ہجراں تھا

فروغِ چہرۂ روشن نقابِ روئے تاباں تھا
کمالِ حسنِ جاناں مانعِ دیدارِ جاناں تھا

ادا نے سر جھکانے کی گلے کٹوائے عالم میں
خمِ گردن تھا ان کا یا ہلالِ عیدِ قرباں تھا

کبھی فصلِ خزاں میں بھی جو وہ رشکِ بہار آیا
گُلِ نقشِ کفِ پا سے چمن سارا گلستاں تھا

ہے یکساں جوشِ وحشت میں ہو آبادی کہ ہو صحرا
جہاں بیٹھے ترے وحشی وہیں ان کو بیاباں تھا

خدا جانے فغاں کس دل سے کی تھی تو نے اے بلبل
کہ دستِ باغباں تھا اور گلچیں کا گریباں تھا

چبھے تھے خار کثرت سے جو وقت دشت پیمائی
لہو سے اپنے تلووں کے چمن سارا بیاباں تھا

چمن میں سرخی لالہ جفائے گل کا محضر تھی
شہادت نامۂ بلبل ہر اک برگ گلستاں تھا

مخالف ہے ہوائے باغ عالم جمع خاطر کی
کہ ہو کر پھول صحن باغ میں غنچہ پریشاں تھا

کرشمہ تھے نگاہ ناز کے جو یہ دلِ ناداں
کبھی صورت بنا کر غم کی کبھی تصویر ارماں تھا

بہایا خونِ دل آنکھوں سے اپنی اس قدر رضا مَن
لہو سے ہجر میں تر کوچہ چاکِ گریباں تھا

— —

عام جب تک کہ ترا جلوۂ دیدار نہ تھا
خلق میں زیست سے اپنی کوئی بیزار نہ تھا

ہوش میں اپنے نہ رہنا ہی تو ہے آزادی
قید تھا جو تری الفت میں گرفتار نہ تھا

یاد آتے ہیں وہ دن اے شبِ ہجراں جب میں
موت سے شاد نہ تھا زیست سے بیزار نہ تھا

دوست کے ہاتھ سے تعزیر کی لذت مت پوچھ
وہ بھی خواہانِ سزا تھا جو گنہگار نہ تھا

دام صیّاد کا چھایا تھا چمن میں یہ خوف
آشیاں ہی تھا قفس گو میں گرفتار نہ تھا

جلوۂ ہوش ربا اور یہ پرسش معقول
آپ جابر نہ سہی میں بھی تو مختار نہ تھا

سرد مہری نے تری کی ہے یہ حالت ورنہ
اِس طرح گرم کبھی موت کا بازار نہ تھا

فرط رحمت سے بڑھی حشر میں یہ قدر گناہ
نیکیوں سے تھا بدلتا جو گنہگار نہ تھا

کون اب برق تجلّی کو کہے ورنہ کلیم
غلطی آپ کی تھی طور خطاوار نہ تھا

یوں تو کہتے ہو کہ انساں ہے ضعیف البنیاں
بارِ غم دینے میں لیکن تمھیں کچھ عار نہ تھا

نقدِ دل دے کے بجز داغ وہاں کیا ملتا
کوچۂ یار تھا کچھ مصر کا بازار نہ تھا

عشق نے جبکہ نہ رکھا من و تو کا جھگڑا
پھر تو سب اپنے ہی تھے مجمعِ اغیار نہ تھا

علمِ حق میں تھے ہم اس وقت سے ہم پہلوے درد
گلشنِ دہر میں جب ذکرِ گل و خار نہ تھا

عمر بھر یار کے در سے نہ ہٹا میں ضامنؔ
لطف یہ ہے کہ تھا آزاد گرفتار نہ تھا

بزمِ عالم میں ہے وہ کون جو ناشاد نہیں
دہر میں قیدِ الم سے کوئی آزاد نہیں

نالہ دلدوز اگر اے دلِ ناشاد نہیں
ہے حقیقت میں بس اک شور وہ فریاد نہیں

عہدِ پیری میں گئے بھول جوانی کے مزے
خوابِ غفلت میں جو دیکھا تھا وہ اب یاد نہیں

آپ کے ظلم کو تو ظلم ہی کہنا ہے ستم
دل کو جس چیز کی خواہش ہو وہ بیداد نہیں

جلوۂ یار سے خالی ہے دل خانہ خراب
ایک مدت ہوئی ویرانہ یہ آباد نہیں

چرخ کو پھر نہ ستم کرنے کی ہمت ہوتی
مگر افسوس کہ اب طاقتِ فریاد نہیں

وحشت دل کا ہے پابند تر از دیوانہ
ہوش کی قید سے چھٹ کر بھی تو آزاد نہیں

سر وہ شوریدہ ہے جس میں نہیں سودا تیرا
دل ہے بیکار وہ جس دل میں تری یاد نہیں

کیا مزا زیست کا جب دل ہوا زلفوں میں اسیر
قید بھی ایسی کہ جس کی کوئی میعاد نہیں

حشر میں پرسشِ اعمال ہے ہم سے ناحق
جرم الفت کے سوا کچھ بھی ہمیں یاد نہیں

میں نہ مانوں گا کہ نالوں میں اثر میرے نہیں
کانوں تک ان کے پہونچتی مری فریاد نہیں

شکوۂ جور پہ آفت تھی ندامت ان کی
اب تمنّا کوئی جز حسرت بیداد نہیں

طائر جاں قفس جسم میں ہو کیوں نہ ملول
قید یہ وہ ہے کہ جس کی کوئی میعاد نہیں

دیکھ کر ان کو فراموش ہوئے سب شکوے
بھولنے کی جو نہ باتیں تھیں وہی یاد نہیں

شکوۂ جور پہ کہتے ہیں وہ ہنس کر ضامنؔ
خوگرِ ظلم پہ بیداد تو بیداد نہیں

--

اس بُت کے سب مطیع ہوئے شیخ و برہمن
اب کچھ تنازعہ حق و باطل نہیں رہا

صیّاد نے کیا ہے انھیں فرشِ گل پہ ذبح
اب تو حرام خونِ عنادل نہیں رہا

جب تک لپٹ گیا تھا نہ خنجر کو پھینک کر
قاتل نگاہِ یاس کا قائل نہیں رہا

اب کیا مٹائیں آپ کی ہم بے نیازیاں
جس دل پہ ناز تھا ہمیں وہ دل نہیں رہا

-- --

دنیا میں پھر وہ کام کے قابل نہیں رہا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل نہیں رہا

اس رشکِ گل نے بزم میں الٹی ہی جب نقاب
گلشن میں پھر ہجومِ عنادل نہیں رہا

رخنے نگاہِ قیس نے اتنے بنا دیئے
صاحب نظر کا پردۂ محمل نہیں رہا

کشتیٔ اشک آکے کنارے ہوئی تباہ
ساحل بھی اعتبار کے قابل نہیں رہا

ٹکرائی جب ہے کشتی طوفاں زدہ کوئی
خاموش اوس گھڑی لبِ ساحل نہیں رہا

خونریزیوں کا ذکر ہی کیا ہے کہ عمر بھر
زیرِ نیام خنجرِ قاتل نہیں رہا

احسان مند جود و عطا کا بروزِ حشر
حاجت روا رہا کوئی سائل نہیں رہا

کیا جانے کیا کیا نگہ سحر کار نے
صورت وہی ہے دل کی مگر دل نہیں رہا

کچھ دن میں رفتہ رفتہ خدا بھی کہے گا شیخ
وہ بت بشر ہے اس کا تو قائل نہیں رہا

بسمل بنانے کے لئے کافی رہی نگاہ
محتاج تیر و تیغ کا قاتل نہیں رہا

غیروں کی بھی جفائیں سہیں آپ کے بھی ظلم
ان سختیوں کا دل متحمل نہیں رہا

پیشِ نگاہِ قیس تصوّر سے دشت میں
کوئی سوائے صاحبِ محمل نہیں رہا

لوٹے ہیں یوں ہنسی سے تڑپنے پہ میرے وہ
کچھ امتیاز بسمل و قاتل نہیں رہا

اس رشکِ گل کے روئے منوّر سے کس گھڑی
جھگڑا امیانِ کبک و عنادل نہیں رہا

ضامن ہی ایک شاکی دزد حنا نہیں
لاکھوں ہیں جن کے پہلوؤں میں دل نہیں رہا

--

ہیں بھروسے پہ کماں کے زورسالے تیر کے
کامیابی میں جو اں محتاج نکلے پیر کے

تیغ ابرو واں حسینوں کی ہے کتنی سحر ساز
زخم دکھلائی نہیں دیتے ہیں اس شمشیر کے

کون دیوانہ ہوا یارب مسلسل ہو کے دفن
نام سے سنبل کے جو دانے اُگے زنجیر کے

ہو گیا ہے کون غفلت کیش تجھ پر مہرباں
مُنکرِ اللہ قائل ہو گئے تقدیر کے

حسن تیرا خود مٹے گا توڑے گر عالم کے دل
اصل میں آئینے ہیں یہ سب تری تصویر کے

بال آنے سے بڑھی ہے تیغ ابرو کی نمود
عیب بھی تلوار کے جوہر ہیں اس شمشیر کے

دے رہی ہے طاقتِ گفتار اب مجھ کو جواب
جبکہ ظاہر ہو چلے ان پر نشاں تاثیر کے

پہلوئے دشمن سے آئے اٹھ کے گھبرائے ہوئے
ہاں وہی قائل نہ تھے جو جذب کی تاثیر کے

قصۂ غم باثر ہے لیکن ان کے سامنے
منھ سے وہ چلے نکلتے ہی نہیں تاثیر کے

جب پڑی دلہائے عالم پر حقیقت کی نظر
سب کے سب آئینے نکلے ایک ہی تصویر کے

درد لذّت بخش کی صورت بنا ہوں سر بسر
ہر رگِ تن میں چھپے پیکاں ہیں انکے تیر کے

مشکبو زلفیں سونگھا کر کرتے ہیں تسکیں مری
دیتے ہیں ٹانکے وہ مرے زخم میں زنجیر کے

عاشقوں کو باعثِ راحت ہے ابرو کا خیال
نیند آئے بھی تو سایہ میں اسی شمشیر کے

جبہہ سائی آستانے پر کسی کے ہے فضول
حرفِ ضامن مٹ نہیں سکتے خطِ تقدیر کے

کون بے خود تری مست آنکھوں سے اے یار نہیں
جام بر جیب سے چلے دہر میں ہشیار نہیں

تاب میں مہر سے کم روئے ضیا بار نہیں
گھر میں پڑتا ہی کبھی سایۂ دیوار نہیں

واہ رے تیر نگاہ صنم اعجاز ترا
دل میں سو زخم بدن پر کوئی آثار نہیں

زہر کس طرح نہ جانباز محبت کھائے
ان کے تو ہاتھ میں تلوار بھی تلوار نہیں

دشت میں پھرتا ہے ہر دم تری زلفوں کا اسیر
اتنا آزاد تو کوئی بھی گرفتار نہیں

سہل سا کام بھی تھا عشق میں مشکل پہلے
اب یہ حالت ہے کہ دشوار بھی دشوار نہیں

چارہ گر دیکھنے آتے ہیں وہ اب فکر نہ کر
یا مرض ہی نہیں یا آج یہ بیمار نہیں

تیری آنکھوں کی طرح اور ہیں بیمار مگر
قاتلِ رشکِ مسیحا کوئی بیمار نہیں

کھیل سمجھا تھا بیان سببِ دردِ جگر
چارہ گر آج نہیں یا ترا بیمار نہیں

دیکھتا اہلِ جنوں کا ہے تماشا کوئی
جو نہ دیوانہ بنے آج وہ ہشیار نہیں

سرمگیں آنکھ کا سیکھو تو اٹھانا پہلے
ایسا آسان مرے قتل کا انکار نہیں

بات عشاق کی آئینہ نے رکھ لی بارے
اب نہیں کہتے کہ میرا کوئی بیمار نہیں*

سچ تو یہ ہے کہ محبت ہی سے ہو لطفِ حیات
وہ ہے بیمار جسے عشق کا آزار نہیں

ناوکِ ناز میں یہ توڑ کہاں سے آیا
بے کماں تیر ہے پیکاں نہیں سوفار نہیں

* حق میں عشاق کے آئینہ مسیحا ٹھہرا۔

آپ ہی دیکھ لیں اب اپنی نگاہوں کا سلوک
دل سی شے اور کوئی اس کا خریدار نہیں

پاؤں نے دشت کو تو کر دیا کانٹوں سے صاف
سر سلامت ہے تو زنداں کی بھی دیوار نہیں

--

ہوئیں جب حسرتیں پامال شدت بڑھ گئی غم کی
اداسی نے بڑھا دی اور رونق بزم ماتم کی

ضرورت اور ہو گی تجھ کو یارب خلق عالم کی
کہ میرے بعد گنجائش کہاں ہو گی مرے غم کی

قیامت ہے رہے یوں روز و شب صرف فغاں بلبل
بسر ہو چین سے آغوش گل میں رات شبنم کی

دلاتے ہیں یہ دونوں رنگ یاد اس چشم فتاں کو
سیاہی شام ہجراں کی سفیدی صبح ماتم کی

بسر کرنا بہت دشوار تھا شبہائے فرقت کا
خیالِ خنجر ابرو نے راتیں کاٹ دیں غم کی

بھرے سب زخم ہائے دل نگاہِ لطفِ قاتل سے
عجب تلوار ہے یہ جس میں ہے تاثیر مرہم کی

بڑا دل چاہیئے دیدارِ جاناں کے لئے موسیٰ
یہ کیا غش آگیا جب کوہ پر بجلی ذرا چمکی

لبِ جاں بخش سے کیا حشر میں کلمی کا مُردہ لینگے
سنا ہے زندگی ہوگی دوبارہ سارے عالم کی

مریضِ ہجر کب کا قیدِ غم سے چھٹ گیا ہوتا
قضا رستہ نہیں پاتی سیاہی میں شبِ غم کی

جہاں کی ہوتی ہے مٹی وہیں ملتی ہے پھر آکر
زمیں پر کھینچ ہی لائی جناں سے خاک آدم کی

یہ بکس خورشید رو نے زخمہائے تن کو دیکھا ہے
شعاعِ نیرِّ تاباں ہے جو بتّی ہے مرہم کی

گذرے ہیں اتنے روز مرے اضطرار کو
ہوتا سکوں مضر ہے دل بیقرار کو

اے جذب دل نہ آنے کی یاں ضد ہے یار کو
ہم دیکھتے ہیں آج ترے اختیار کو

باندھوں گا اس کے عارض گلرنگ کا خیال
اس سال میں کروں گا مقید بہار کو

اللہ رے جذب عشق کہ کوچے سے یار کے
آندھی اڑا سکی نہ ہمارے غبار کو

نکلے ہیں گھر سے دیکھنے دیوانوں کی وہ سیر
عاشق دعائیں دیتے ہیں فصل بہار کو

زیرِ نقاب ہے رخ رنگیں شب وصال
فصلِ بہار میں ہوں ترستا بہار کو

ہر صبح اٹھ کے جانے کی عادت جو تھی پڑی
محشر میں بھی اٹھے تو چلے کوئے یار کو

پھیلے جو عکس عارض گلرنگ باغ میں
بلبل خزاں میں دیکھ لے فصل بہار کو

لے لیتے آج آبروِ عشاق سخت جاں
خنجر دکھا دے جنبش ابروئے یار کو

مجھ زار و ناتواں کو ستاتا ہے آسماں
تکلیف آبلہ سے پہونچتی ہے خار کو

قدرت کے فعل پر بھی تو غالب ہے حسن یار
مجبور کر دیا دل ذی اختیار کو

موت و حیات دونوں کی کرتے ہوئے دعا
دیکھا ہے ایک آپ کے امیدوار کو

تھا شعلہ بار داغ محبت جو بعدِ مرگ
گُل کر سکی ہَوا نہ چراغ مزار کو

جب یاد آگیا ہے چمن میں وہ گلعذار
خاموش اک فغاں نے کیا ہے ہزار کو

الزامِ انقلابِ جہاں کا نہ لیجیے
ٹھہرائیے حضورِ دلِ بیقرار کو

کچھ عرض میں کروں شبِ غم کی مصیبتیں
یا رب جو اور طول ہو روزِ شمار کو

کاٹے ہوئے ہیں جو کہ شبِ انتظارِ یار
سمجھیں وہ کیا درازیٔ روزِ شمار کو

چاہیں تو رات کو کریں دن اور دن کو رات
اتنا ہے اختیار رخ و زلفِ یار کو

ہم دیکھتے ہیں روز ہی ہنگامہ حشر کا
واعظ خدا جہاں میں رکھے کوئے یار کو

بخشے گئے جو حشر میں ضامنؔ مرے گناہ
ہوئے گا ناز رحمتِ پروردگار کو

--

مانا کہ دو ہی نالوں میں یہ آسماں کہاں
لیکن مریضِ ہجر میں تابِ فغاں کہاں

کعبہ میں دیر میں دل عارف میں طور میں
اللہ ہیں حضور کے جلوے کہاں کہاں

میرا تو آشیانہ چمن سے اجڑ گیا
گرتی ہیں دیکھوں چرخ سے اب بجلیاں کہاں

کیسی زمیں یہ یار کے دل کا غبار ہے
آہوں کا ہے مرے یہ دھواں آسماں کہاں

تھی با اثر ضرور مری داستانِ غم
قابو میں ان کے سامنے لیکن زباں کہاں

جوشِ بہار سے تو چمن میں لگی ہے آگ
آخر بنائیں بلبلیں اب آشیاں کہاں

عاشق سے تو نہ ہوں گی یہ بے اعتنائیاں
عابدؔ کا سر کہاں ہے ترا آستاں کہاں

حالِ شبِ فراق وہاں بھی نہ ہوگا ختم
محشر کا ایک دن کہاں یہ داستاں کہاں

خنجر سے ہوتا زخم کا کیا طے معاملہ
اس کے دہن نہیں ہے تو اسکے زباں کہاں

یہ بھی تھا جذب عشق زلیخا کا اک اثر
یوسف کہاں وہ چاہ کہاں کارواں کہاں

ناحق تو ڈھونڈتا ہے حرم میں نشان دوست
دل ہی میں جب نہیں ہے تو واعظ وہاں کہاں

بیتابیوں سے میری زمانہ الٹ گیا
ورنہ نہ زمین بھلا آسماں کہاں

گلیوں میں پھر کے عشق اگر مشتہر ہوا
پردہ میں رہ کے حسن رہا ہے نہاں کہاں

منزل ہی کچھ تھی دور جو پہونچے نہیں ابھی
ٹھہری ہے ورنہ راہ میں عمر رواں کہاں

جھک جاتا ہے ہر ایک جگہ سر پئے سجود
جوشِ نیاز ڈھونڈھے ترا آستاں کہاں

بازارِ حسن گرم ہے گو کائنات میں
جنسِ وفا جہاں ملے ایسی دکاں کہاں

دکھلائے سیر جو تجھے بامِ مراد کی
ایسی کوئی کمند کہاں نردباں کہاں

دل کے جلانے والے ذرا ضبطِ عشق دیکھ
بُو تک بھی تو نکلتی نہیں ہے دھواں کہاں

خاموش بس ہوا ہے تو محفل میں یار کی
واعظ کی ورنہ بند ہوئی ہے زباں کہاں

تربت مری نمود ہوئی روندنے سے اور
بچھے ہیں پھول ان کے قدم کے نشاں کہاں

خط میں کہیں جو حال شبِ غم کا آگیا
پھر لکھتے وقت ہو گی سیاہی رواں کہاں

دو چار دن بہار ہے صیاد رحم کر
پھر ہم کہاں یہ باغ کہاں آشیاں کہاں

کرتا ہے تجربہ میں عبث بحث اے حکیم
چلتا بھلا ہے ہجر کی شب آسماں کہاں

پیچھے جو جسم رہ گیا جاں سے عجب ہے کیا
پہونچی ہے ساتھ گرد بس کارواں کہاں

رنگیں رہے گا خونِ شہیداں سے کوئے یار
گلزار میں بہشت کے دخلِ خزاں کہاں

جس جا نہ دفن ہوں ترے کشتے ہزارہا
ایسی کوئی زمین تہ آسماں کہاں

مردہ سا ہو رہا ہوں فراقِ حبیب میں
آنکھوں میں نور دل میں تواں تن میں جاں کہاں

حق ہے اگر عذابِ قیامت سے وہ ڈرے
زاہد غریب خوگرِ ہجرِ بتاں کہاں

کرتی ہے سہل سختیِ دنیا کو احتیاج
پتھر ہو اگرسنہ کو بارِ گراں کہاں

خوش ہو نہ کر کے طے سرِ گردن کا مرحلہ
ضامنؔ ہوا ہے ختم ابھی امتحاں کہاں

--

خوابِ گراں سے کشتوں کو بیدار کر دیا
اک حشر سا بپا دمِ رفتار کر دیا

آجائے گی جہاں میں قیامت بھی دیکھنا
تم نے جو عام جلوۂ دیدار کر دیا

دیکھے کرشمہ نرگسِ بیمار یار کے
اچھّی رہی خود اوروں کو بیمار کر دیا

شورِ جہان کی یہ حقیقت ہے مختصر
سوتے رہے وہی جنھیں بیدار کر دیا

مدہوش چشمِ یار نہیں کون سا بشر
اک جام نے جہاں کو سرشار کر دیا

کانٹے چبھے تھے پاؤں میں وحشی کے اس قدر
تلوؤں کے خوں سے دشت کو گلزار کر دیا

نیرنگیوں کو چشمِ فسوں ساز کی نہ پوچھ
غافل اسے کیا اسے ہشیار کر دیا

کہنی پڑی غزل ہمیں محفل میں بیٹھ کر
ایسا جنابِ صدر نے ناچار کر دیا

--

نہ ہوتے ظلم جب واعظ تو پھر فریاد کیا کرتے
بتوں کو بھول جاتے تو خدا کو یاد کیا کرتے

وہ لاحاصل تھا ان سے شکوۂ بیداد کیا کرتے
یہ ننگ عشق تھا اللہ سے فریاد کیا کرتے

ہلا دینا تو آساں تھا دل نازک کے نالوں سے
مگر پھر آپ میرے باب میں ارشاد کیا کرتے

جنوں کی آتشِ سوزاں گلا دیتی تھی زنجیریں
علاج دشت پیمائی بھلا حداد کیا کرتے

تجھے کچھ ڈر نہیں ہے تو فغاں کرتی ہے اے بلبل
یہاں رونا چھپاتے ہیں بھلا فریاد کیا کرتے

بچھا رکھے تھے زیرِ دام گل بھی تو نے تو ظالم
نہ پھنستے ایسی حالت میں تو اے صیّاد کیا کرتے

عدو پر رحم کرتے ہم تو دنیا ہی الٹ جاتی
نکل جاتی اگر منھ سے مرے فریاد کیا کرتے

وہ میرے ناخن و زخمِ جگر کے سامنے اے دل
بیانِ تیشہ و زخمِ سرِ فرہاد کیا کرتے

گوارہ کس طرح کرتے کہ ان کا دل دہل جائے
اثر ہوتا بھی نالوں میں تو ہم فریاد کیا کرتے

جب اس گُل نے نقاب الٹی تھی رُخ سے اپنی محفل میں
تو داموں کو بچھا کر باغ میں صیّاد کیا کرتے

رقیبوں پر سبب الطاف کا میری عیادت ہے
کسی پر حال میرا دیکھ کر بیداد کیا کرتے

فقط حُسنِ جنوں افزا کے یہ سارے کرشمہ ہیں
نہیں تو جنگلوں کو آپ یوں آباد کیا کرتے

کسی کے خوف رسوائی سے جاں گھٹ گھٹ کے دیدینا
ہمارا کام تھا یہ قیس اور فرہاد کیا کرتے

الٹ جائے گی دنیا اس کی تو پروا نہ تھی ضامن
دہل جاتا کلیجہ ان کا ہم فریاد کیا کرتے

گریباں چاک کر ڈالا کیئے ٹکڑے سلاسل کے
جنوں تیری بدولت خوب نکلے حوصلے دل کے

لگائے ہاتھ کچھ ایسی ادا سے تن پہ بسمل کے
کہ خود تلوار کے قبضہ نے چومے ہاتھ قاتل کے

یہ کس بیکس کے سوزِ عشق کا افسانہ کہتی ہے
زباں جلتی ہے آنسو بہہ رہے ہیں شمع محفل کے

کیا شوقِ ہم آغوشی نے یہ بیتاب اے لیلیٰ
لپٹ جاتا ہے مجنوں دوڑ کر سایہ سے محمل کے

نقاب عارض روشن اٹھا گلشن میں اے گلرو
کہ جھگڑے دیکھ لیں پروانہ و کبک و عنادل کے

دُکھایا ان کا دل بھی کیا کسی گلرو کی اُلفت سے
یہ کیوں بدلے ہوئے نالوں سے ہیں نغمہ عنادل کے

نگاہ یاس تیرا ہو بُرا یہ کیا کیا تو نے
کہ خنجر رکھ کے قاتل اٹھ گیا پہلو سے بسمل کے

اسے مارا نگاہوں سے جِلایا اس کو ٹھوکر سے
خدائی دوسری آئی نظر کوچہ میں قاتل کے

یہ حسرت تھی کہ وقت نزع گر وہ سامنے ہوتے
تو دم کے ساتھ ارماں بھی نکل جاتے مرے دل کے

مجھے پہلے پہل کا اپنا جانا یاد آتا ہے
نکلتا ہے کوئی جس وقت خوش کوچہ سے قاتل کے

پہنچ کر کوچہ دلدار میں اپنی اجل آ ئی
ہماری کشتیِ امّید ڈوبی پاس ساحل کے

--

دلچسپ ایک منظر روئے زمیں پر ہے
وارفتہ جس کا دل ہے ہر صاحبِ نظر ہے

سنگیں زمیں پر ہے چھوٹی سی اک عمارت
وِنڈہم میموریل ہے یا نقش کا الحجر ہے

نہرِ لبن سے بہتر اک نہر سامنے ہے
جو شہد و شیر سے بھی شیریں و صاف تر ہے

پتھر سے جا بجا ہے پانی کی سوت جاری
پھولوں کا سہرا ہے یا سلک درّ و گہر ہے

ہے سبز پوش سارا میدان وتل یہاں کا
گویا کہ فرش مخمل بچھا زمیں پر ہے

اشجار کا تراکم اس درجہ ہے یہاں پر
ہر ہر قدم پہ کرتی اٹکھیلیاں نظر ہے

قدرت نے ان کو بویا قدرت نے ان کو سینچا
طوبیٰ سے بڑھ کے یاں کا شاداب ہر شجر ہے

دیکھ اس سماں کو حوریں باہم یہ کہہ رہی ہیں
جنّت کا ایک تختہ روئے زمین پر ہے

ہاتف کی آرہی ہے ہردم ندا یہ دل میں
جنّت یہی ہے ضامن جنّت کہیں اگر ہے

یہ قدرتی مناظر اسرارِ معرفت ہیں
جو ہے سمجھتا ان کو وہ صاحبِ نظر ہے

ہے دل اسی کا روشن نورِ جمالِ حق سے
بے شبہ اس جہاں میں وہ صاحبِ نظر ہے

جدا تو نے فلک جب سے کیا اس یار و دلبر کو
کسی پہلو نہیں آتا قرار اس قلب مضطر کو

شب وصلت بٹھا کر سامنے اس مہر انور کو
سحر تک کیا ہی ہنس ہنس کر رلایا ہے مقدر کو

بھری ہے آگ وہ سینہ میں اپنے سوز فرقت نے
جلا کر ایک دم میں خاک جو کر دے سمندر کو

ہے کافی قتل کرنے کو اشارہ تیغ ابرو کا
نہیں اٹھتا تو ہاتھوں سے اٹھاتے کیوں ہو خنجر کو

وہ آئیں یا کہ موت آئے جو کچھ ہونا ہے ہو جائے
کسی صورت تو چین آئے دل بیتاب و مضطر کو

ہم ہو عشق کی سر تیرے کشتوں میں جگہ پاؤں
بڑا احسان ہو گر تو جدا کر دے تن و سر کو

ہجوم یاس و غم ہر وقت ہے ویرانۂ دل میں
یہ مہماں رکھتے ہیں آباد اس اجڑے ہوئے گھر کو

تمھارے ہی دُرِ دنداں کے صدقے میں جو سچ پوچھو
ملی یہ آبرو یہ منزلت اے مہر گوہر کو

دلِ پُر داغ سے اپنے ہٹاؤں میں اگر پھاہا
تپِ سوزاں چڑھ آئے دیکھ کر خورشید خاور کو

پتہ مصنوع سے چلتا ہے صانع کی طبیعت کا
سند ہے اک صفائے دل کی آئینہ سکندر کو

پیام وصل پر اس بت سے اقرار آج اگر لے لوں
کروں جادو بیانی کے عمل سے موم پتھر کو

نہ ہوتی قدر خوش جوہر کی غربت میں اگر اے دل
تو شوق نام لاتا کھینچ کیوں دریا سے گوہر کو

جب اُجڑے خانۂ دل سا بھرا گھر اپنا اے ضامن
لہو کے آنسوؤں سے کیوں نہ رؤں پھر مقدر کو

حسرتیں مر گئیں دل ہو گیا دلبر خالی
کر دیا تیرے تغافل نے بھرا گھر خالی

ہو رہے ہیں ترے دیوانوں سے جنگل آباد
بستیاں ہوتی ہی جاتی ہیں برابر خالی

جم گیا رنگ یہ ساقی کا بہار گل میں
واعظ آتے ہیں لئے ہاتھوں میں ساغر خالی

دشت سبزے سے ہے اور باغ ہے پھولوں سے بھرا
مگر آغوش ہمارا ہے سمن بر خالی

قتل پہلے تو کیا اپنے گرفتاروں کو
رو دیا پھر دیکھ کے زنداں کو ستمگر خالی

کوچۂ یار جو آیا نظر اس دن واعظ
ہم دکھا دیں گے تجھے عرصۂ محشر خالی

وہ چلے جائیں جو واعظ کہیں اس مجمع سے
ہم دکھا دیں گے پر عرصۂ محشر خالی

سن کے کہتا ہے مرے نالوں کو ضامن وہ شوخ
روز کمبخت کیا کرتا ہے کیوں سر خالی

نہایت کشمکش میں مبتلائے غم تمھارا ہے
نہ مرنے کی کوئی صورت نہ جینے کا سہارا ہے

نظر جب سے پڑی اس ماہ رو کے روئے روشن پر
کتاں کی طرح قلب مضطرب بھی پارا پارا ہے

نکالا بحرِ غم سے ہم کو تیری یادِ مژگاں نے
یہ سچ ہے ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا ہے

اطاعت نفس کی کہ زندگی بھر یہ نہ یہ جانا
کہ جس کو دوست سمجھے ہیں وہی دشمن ہمارا ہے

نہ ہو یارب کسی دشمن کے پہلو میں کبھی دل ایسا
جسے کہتے ہیں سب گرگ بغل وہ دل ہمارا ہے

یہ کس کا عشق لے کر خاک سے نکلے ہیں گل یارب
کہ سینہ چاک ہے غم سے گریباں پارا پارا ہے

تمھارے آشنائے عشق کیا پہونچیں گے منزل تک
عدم کہتے ہیں جس کو بحرِ الفت کا کنارا ہے

تصوّر اک بت زہرہ شمائل کا ہے روز و شب
پری کو ہم نے اپنے شیشۂ دل میں اتارا ہے

شبِ وصلت میں بگڑا ہے نظام چرخ یہ لے جاں
قمر سے تیز رو گردشِ دل کا ہر ستارا ہے

گرے ہیں ان کی نظروں سے ملیں گے خاک میں جلدی
برنگ اشک مژگاں ہم کو کافی اک اشارا ہے

الٰہی کس طرح صبح فرقت عیاں ہو گی
مثال قطب ساکن اپنی جا پر ہر ستارا ہے

لب خاموش ہیں گویا لب اظہار اے ضامن
جو چپ رہنے سے راز عشق پنہاں آشکارا ہے

ہمارے مٹنے کی اک یادگار باقی ہے
تری گلی میں نشان مزار باقی ہے

چھٹا جو تم سے تو سب ساتھ چھوڑے جاتے ہیں
نہ مجھ میں ہوش نہ دل میں قرار باقی ہے

وہ شمع بزم ہو یا سنبل چمن کچھ ہو
ہمارے غم کی ہر اک جا بہار باقی ہے

خدا کے واسطے اب تو رہا کر اے صیّاد
چمن میں سنتے ہیں کچھ کچھ بہار باقی ہے

ہماری خاک بھی برباد ہو گئی لیکن
تمہارے دل میں ابھی تک غبار باقی ہے

فنا کے بعد بھی اک زلزلہ ہے تربت کو
مٹے بھی ہم تو دلِ بے قرار باقی ہے

کہاں یہ دل کہ اس آشوبِ خلق سے کہتے
ادھر بھی دیکھ لے اک جاں نثار باقی ہے

— —

کسی نے حال اگر پوچھا ترے بیمارِ ہجراں سے
ٹپک پڑتے ہیں خوں کے چند قطرے چشمِ گریاں سے

نہ دل خالی رہا اک دم ہجومِ یاس و حرماں سے
یہ ویرانہ رہا آباد ان ناخواندہ مہماں سے

بیاں کیا ہوں جنوں میں لذتیں عشقِ زنخداں کی
نہ سمجھے سیبِ جنّت کو بھی بہتر سنگِ طفلاں سے

طلوعِ آفتابِ حشر کا نقشہ نظر آئے
جو ہٹ جائے ذرا پھاہا ہمارے داغِ سوزاں سے

کمال عیش سے انسان کامل ہو نہیں سکتا
نہ ہو جب تک کہ لذت آشنا تلخیٔ دوراں سے

فروغ حسن شاید قیدیٔ شوق نمائش تھا
جو لایا مصر کے بازار میں یوسف کو کنعاں سے

رہے یوں محو خود بینی کہ منہ پھیرے ہے اس سے
تقرب میں جو تھا نزدیک تر اپنی رگ جاں سے

وطن میں اہل جوہر چین سے کب بیٹھنے پائے
جگر خوں ہو گیا تھا لعل جب نکلا بدخشاں سے

بجھے جاتے ہیں آہ سرد کی آندھی سے وہ ضامن
جل اٹھے تھے چراغ داغ دل جو سوزِ ں سے

--

نگاہِ شوق حسینانِ مہ جبیں پہ رہی
فلک کی سیر ہمیشہ یہاں زمیں پہ رہی

ہمارے قتل کے الزام سے وہ پاک رہے
لہو کی چھینٹ بھی کوئی نہ آستیں پہ رہی

بہا یہ کوچۂ قاتل میں عاشقوں کے لہو
جگہ نہ پاؤں کے دھرنے کی بھی زمیں پہ رہی

خیالِ قامت جاناں میں بے قرار رہے
قیامت آج ہمارے دلِ حزیں میں رہی

--

قید الفت سے ۔ رہائی ہو خیال خام ہے
عشق کہتے ہیں جسے وہ موت کا پیغام ہے

روئے روشن کے قریں وہ زلف عنبر فام ہے
کیا تماشا ہے کہ یکجا وقت صبح و شام ہے

بعد مُردن آتشِ فرقت کا اللہ رے اثر
کہتے ہیں گلخن جسے اپنا مزارِ خام ہے

طائرِ دل آپ پھنستے ہیں خوشی سے آن کر
زلفِ پیچاں خوبرویوں کی بھی طرفہ دام ہے

عشوۂ و ناز و کرشمہ سب ہے تیرے واسطے
ٹھیک یہ ملبوس تجھ پر اے صنم اندام ہے

دل میں رہتا ہے خیال چشم پُرافسون دوست
بند جس میں سحر کے دریا ہیں یہ وہ جام ہے

قید غم سے ہو رہائی زندگی میں ہے محال
طائر جاں کے لئے تار نفس اک دام ہے

حضرت نیساںؔ کے دم تک لطف تھا اس رنگ کا
اب کہو ضمن غزل اس میں جو رنگ عام ہے

--

شامِ غُربت ہے وفورِ حسرت و آلام ہے
اک دلِ ناکام ہے باقی خدا کا نام ہے

مبتلا کس کشمکش میں یہ دلِ ناکام ہے
سامنے وہ ہیں کھڑے اور نزع کا ہنگام ہے

رحم کس کو آگیا کس نے کیا مجھ پر کرم
رشکِ صبحِ عید جو مجھ غمزدے کی شام ہے

زاہدوں کی آج آپس میں لڑائی دیکھنا
ہاتھ میں اس خور کے جامِ مے گلفام ہے

دل بھر آیا خود بخود جب دھیان تیرا آگیا
جس کو شیشہ کی نہیں حاجت ہے یہ وہ جام ہے

کوئی دیکھے تو سہی اس روئے رنگیں کی بہار
خلق میں رسوا عبث اپنا دل ناکام ہے

جان لے لیتی ہیں قاتل کی ادائیں وقت ذبح
کام تیغ ناز کرتی ہے چھری بدنام ہے

شب کو گر جلوہ فگن وہ مہ تاباں ہو جائے
شعلۂ داغِ جگر شمع شبستاں ہو جائے

بے نقاب آپ کا جب چہرۂ تاباں دیکھے
کیوں نہ عاشق کی طرح آئینہ حیراں ہو جائے

آپ آئیں سر بالیں کہ قضا کو بھیجیں
کچھ تو ایسا ہو کہ مشکل مری آساں ہو جائے

چشم عرفاں سے جو مخلوق خدا کو دیکھیں
کاہ اک کوہ ہو اک ذرہ بیاباں ہو جائے

بے نقاب آپ نہ آئیں سرِ مرقد للہ
محشرستاں نہ کہیں شہرِ خموشاں ہو جائے

تیری تصویر جو غربت میں رہے پیشِ نظر
روکش صبحِ وطن شامِ غریباں ہو جائے

اسی امید پہ کرتا ہوں شرر بار آہیں
کہ شبِ تار میں تا دیر چراغاں ہو جائے

اپنی وحشت ہے خیالات کی وسعت کا ثبوت
کبھی ذرّے کو جو دیکھیں تو بیاباں ہو جائے

کام بگڑے ہوئے بن جائیں ابھی سب ضامنؔ
اگر امدادِ شہنشاہِ خُراساں ہو جائے

--

کشتگانِ غم کے خوں آلودہ محضر دیکھ کر
داورِ محشر ہے چپ سوئے ستمگر دیکھ کر

چشمِ میگوں کے تصوّر نے کیا آخر خراب
مستیاں بڑھتی گئیں لبریز ساغر دیکھ کر

بڑھ گیا ہے جوشِ سودا فصلِ گل میں اس قدر
خوں ٹپکتا ہے مری رگ رگ سے نشتر دیکھ کر

بزم میں اک ساتھ لاکھوں ہاتھ بڑھ بڑھ کر پڑے
ہاتھ میں اس گلشنِ خوبی کے ساغر دیکھ کر

خاموشی کا بیقراری سے سوا چرچا ہوا
پاس رسوائی سے اپنی اور بھی رسوا ہوا

دشت پیما جب جنوں میں تیرا دیوانا ہوا
پائے بوسِ آبلہ خارِ رہ صحرا ہوا

ہجر میں میں آہ کر کے موردِ ایذا ہوا
آسماں اس کے دھوئیں سے اور اک پیدا ہوا

گرم رفتاری سے میری جل اٹھا صحرا تمام
شعلہ افشاں برق کی مانند نقشِ پا ہوا

دیدۂ تر آنسوؤں سے بھر گیا دل کے سبب
خلق میں سیراب صحرا سے یہی دریا ہوا

دیدۂ گریاں کو لیکر آخرش جاؤں کہاں
اے جنوں پہونچا میں جس صحرا میں وہ دریا ہوا

بے نقاب آیا جو شب کو بام پر وہ مہروش
آفتاب صبح محشر کا مجھے دھوکا ہوا

رُخ کی زردی ضبطِ الفت سے فزوں ہوتی گئی
رازِ دل جتنا چھپایا اتنا ہی افشا ہوا

جی اٹھے کشتوں پہ جب کی تو نے مقتل میں نگاہ
رشتۂ جاں ان کو تیری آنکھ کا ڈورا ہوا

کچھ نہیں آتا نظر اس کے تصوّر کے سوا
شوقِ دیدیار میری آنکھ کا پردا ہوا

تھی اسی کے دم سے آبادی خدا بخشے اسے
قیس کے اٹھتے ہی ضامن دشت وحشت زا ہوا

-- --

سوزِ فراق کی اسے تابِ رقم نہیں
فریادِ الحذر ہے صریرِ قلم نہیں

ہو زندگی میں ہم سے جدا یہ وہ غم نہیں
پیکانِ تیر اب تو رگِ جاں سے کم نہیں

وہ گرم رو ہوں راہِ جنوں میں کہ جا بجا
چھالے پڑے ہیں خاک پہ نقشِ قدم نہیں

کھل جائے حال اپنا ہٹا دیں نقاب اگر
وہ اور ہوں گے غش جنھیں آتا ہے ہم نہیں

اللہ رے سوزِ عشق کہ چلتا ہوں راہ جب
اٹھتا دھواں ہے خاک سے گردِ قدم نہیں

کرتی ذلیل و خوار ہے حاجت فقیر کو
داغ برص ہے دستِ گدا میں درم نہیں

یوں نالہ کش میں سختیٔ صیّاد سے ہوا
ظالم اسیرِ غم مری فریاد سے ہوا

کم دردِ ہجر سختی و بیداد سے ہوا
دل کو سکون شربتِ فولاد سے ہوا

کس درجہ غم کو حضرت آدم سے اُنس تھا
اب تک نہ یہ جُدا کسی اولاد سے ہوا

ہم نے کیا ہے فرطِ جنوں میں بھی ضبطِ عشق
یہ قیس سے ہوا نہ تو فرہاد سے ہوا

اللہ رے بے حسی دل ناشاد کام کی
خوش بھی ہوا کبھی تو یہ بیداد سے ہوا

میں تو سوال قتل پہ محشر میں تھا خموش
پردا یہ فاش دامن جلّاد سے ہوا

اللہ رے سحر عشق کہ یہ قلب بے قرار
گہہ لطف سے ہوا کبھی بیداد سے ہوا

فرہاد اور کوہ کنی کیا ستم تھا یہ
لیکن یہ کام عشق کی امداد سے ہوا

چپ تھا جو میں تو ذکر تھا میرا ہی چار سو
عالم خموش اب مری فریاد سے ہوا

تھی اک تو یوں ہی الفت خوباں مزے کی چیز
کچھ اور لطف یار کی بیداد سے ہوا

سوزِ تپِ جنوں سے گئیں بیڑیاں پگھل
وحشت کا کچھ علاج نہ حدّاد سے ہوا

لطفِ ندامت بُتِ جور آشنا نہ پوچھ
ارمان ظلم شکوۂ بیداد سے ہوا

اس سنگدل کے دل پہ نہ ضامنؔ ہوا اثر
عالم میں تہلکہ مری فریاد سے ہوا

کامیابی دور تھی الفت کی مشکل دیکھ کر
حسرتیں روتی رہیں شمشیرِ قاتل دیکھ کر

عمر بھر کی آرزو کا خون دم میں کر دیا
اے نگاہِ یاس تو نے سوئے قاتل دیکھ کر

ناتوانی نے نکلنے دی نہ حسرت دید کی
ہو گیا بے ہوش مجنوں سوئے محمل دیکھ کر

آئی پیری زور ٹوٹا چل بسے ہوش و حواس
ہم بھی اٹھے یہ شکستِ رنگِ محفل دیکھ کر

خونِ عاشق کی قسم کھائے گا خنجر پھینک کر
سخت جانی میری وقتِ ذبح دیکھ کر

شوق سے موسیٰ بھی دیکھیں جلوۂ رخسارِ دوست
پر جگر کو تھام کر اور قوّتِ دل دیکھ کر

جوش بڑھتا ہے درِ زنداں سے ٹکراتا ہوں سر
یادِ زلفوں کی جو آتی ہے سلاسل دیکھ کر

چاروں عنصر مختلف اور منتشر ہوش و حواس
کیا بھلا ٹھہرے کوئی یہ رنگِ محفل دیکھ کر

صورتِ ظاہر جو دیکھی دھیان معنیٰ کا ہوا
ہم ہوئے لیلیٰ کے مجنوں شانِ محمل دیکھ کر*

---

* جوش میں پھر آئے دیوانے سلاسل دیکھ کر

جدا اگر روئے رنگیں سے نقابِ یار ہو جائے
نظر میں عندلیبوں کے گلستاں خار ہو جائے

جنوں میں آبلوں کی وجہ سے بخشا یہ بھی قسمت میں
ہمارے سر پہ احساں سر ہر خار ہو جائے

خضر بھی راہ بھٹکیں کوچۂ گیسوئے جاناں میں
مسیحا دیکھ لے آنکھوں کو تو بیمار ہو جائے

کبھی فصلِ خزاں میں بھی جو وہ رشکِ بہار آئے
گُلِ نقشِ کفِ پا سے چمن گلزار ہو جائے

نقاب اپنے رُخِ روشن سے وہ گلرو الٹتا ہے
عجب کیا بلبل و پروانہ میں تکرار ہو جائے

حیاتِ جاودانی کا ہے دعویٰ خضر و عیسیٰ کو
اب اس کا امتحاں بھی اے نگاہِ یار ہو جائے

بچیں تیری نظر سے دل قریب و دور کے کیونکر
کبھی یہ تیر بن جائے کبھی تلوار ہو جائے

وہ اس مجمع میں یوسف بن گئے ہیں چاہتے یہ ہیں
کہ بازارِ قیامت مصر کا بازار ہو جائے

زمانہ ہو عدو دشمن فلک ہو غم نہیں ضامن
دعا یہ ہے مری جانب نگاہ یار ہو جائے

وفا بندوں سے اپنے گر بتانِ بے وفا کرتے
مسلماں پھر نہ بھولے سے کبھی یادِ خدا کرتے

رہی مانع پیام و خط کی پردہ داریٔ الفت
زبانِ غیر سے کیا شرح رازِ مدّعا کرتے

جنوں میں کام لیتے گر ہم اپنے جذبِ کامل سے
دلِ وحشی کی باتیں آپ گھر بیٹھے سُنا کرتے

بہارِ کوئے جاناں واعظو گر دیکھ لیتے تم
نہ پھر یوں ذکرِ حور و خلد اے مردِ خدا کرتے

--

دل میں پڑے ہیں داغ خط سبز یار سے
پیدا نئی بہار ہوئی ہے بہار سے

اٹھے نقاب گر رُخِ رنگینِ یار سے
بلبل چمن میں ہو متنفر بہار سے

داغوں نے عشق کو مرے دل کو مٹا دیا
دیکھو خزاں ہوا یہ گلستاں بہار سے

بکھرے ہیں چار سمت گل نقش پائے یار
شرمندہ صحن باغ ہے میرے فرار سے

غلغلہ پائے یار نے محشر مچا دیا
مُردے تڑپ تڑپ کے اٹھے ہیں مزار سے

چھٹ جائے گی ملامت بیجا سے میری جان
ناصح گزر گیا جو کبھی کوئے یار سے

نادان مرگ عاشق جانباز کم نہ جان
نقشِ وفا مٹا ورقِ روزگار سے

انجام اپنے فعل کا حاسد کو سوجھے کیا
اندھا بنا ہوا ہے وہ دل کے غُبار سے

ہے غم نصیبوں کو راحت رساں جفا ان کی
کہ منتہائے غم و درد ہے دوا ان کی

یہ محویت ہے کہ آواز جب سُنی کوئی
گماں ہوتا ہے مجھ کو کہ ہے صدا ان کی

جو لینی جان ہو ہر بار رونمائی میں
کہیں ہم اس کو قضا یا کہیں ادا ان کی

مریض ہجر تو بس ختم ہو چکا لیکن
حیات بخشے جو اس کو وہ ہے صدا ان کی

لگائے سینے سے اٹھوں میں روز حشر اسے
لحد میں رکھ دیں جو تصویر اقربا اُن کی

ہلال تھا خم گردن کا نیمچہ گویا
شہید کر گئی ضامنؔ ہمیں حیا ان کی

--
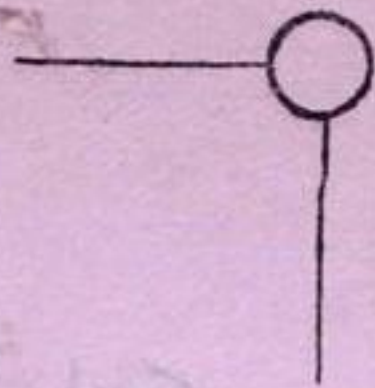
اپنی یہی دعا ہے خدا کی جناب میں
کوئی پھنسے نہ عشقِ بتاں کے عذاب میں

اس مہ جبیں کا عکس ہے جامِ شراب میں
ہے آفتاب چاند میں چاند آفتاب میں

محشر میں روبرو ہوں میں ایسے کریم کے
خود ڈھونڈتا گناہ ہوں فردِ حساب میں

یہ سانحہ بھی ہو گیا مثلِ کلیم و طور
سائل ہوئی زبان جلا دل جواب میں

اس روئے آتشیں کی شرارت ہے حشر میں
گرمی تھی ورنہ اتنی کہاں آفتاب میں

نافہمی کا جو پردا نہ ہوتا جہاں میں خلق
رہتا نہاں وہ حسن بھلا کس حجاب میں

گزرے ہوئے شباب کو پایا کسی نے اور
تقدیر جاگنی تھی زلیخا کے خواب میں

بے پردگی کہ حسن ہے جلوہ نُما تمام
پردہ یہ ہے کہ خود وہ چھپے ہیں عذاب میں

دو ہی سوال میں تو ہے پوری رضا حصول
اچھا تو ہے خموش رہیں وہ جواب میں

موسیٰ نے کھوئی آبروئے عشق پردہ در
ورنہ رہا ہے حسن کبھی بھی حجاب میں

اس مہر وش کے جلوہ سے آرائشوں کے وقت
لپٹا ہے آئینہ ورقِ افتاب میں

لذّت کو خارِ غم کی کسی اہل دل سے پوچھ
ہے زندگی اسی کی جو ہو اس عذاب میں

افراطِ غم میں سوئے ادب کا رہا نہ دھیان
ضامن تلاش اس کی جہانِ خراب میں

--

رہے گا ضبط سے بھی، رازِ الفت مشتہر ہو کر
اڑے گا فرطِ غم سے رنگ چہرہ کا خبر ہو کر

دکھائی خود نہیں دیتے مگر ہیں دیکھتے سب کو
عجب پردہ ہے آنکھوں میں سمائے ہیں نظر ہو کر

نہ دیکھی جائے گی ان کے دلِ نازک کی بیتابی
اذیّت اور بھی دیں گے یہ نالے با اثر ہو کر

یہ کیا کچھ کم کرامت بیکسی کی ہے کہ وہ کافر
نگاہِ یاس کا قائل ہوا جادو نظر ہو کر

طلب کی راہ میں یہ عقل سدِ راہ ہوتی ہے
خبر ملتی ہے ان کی اس جہاں سے بے خبر ہو کر

صفا کیشوں کی صحبت میں بڑھے گی آبرو تیری
صدف میں رہ کے قطرہ بھی نکلتا ہے گہر ہو کر

بہار آنے پہ زنجیروں کی کڑیاں ہی نہ ٹوٹیں گی
رہیں گی دیکھنا زنداں کی دیواریں بھی در ہو کر

عدم کے ملک کی بھی منزلیں پر امن ہیں کتنی
کہ سوتے راستے میں ہیں مسافر بے خبر ہو کر

مسلسل ہے جو کثرت آبلوں کی دل سے ہونٹوں تک
نکلتی آہ بھی سینے سے ہے سلکِ گہر ہو کر

حیاتِ جاودانی کا ہے دعویٰ خضر و عیسیٰ کو
نہیں نکلے ابھی تک اس کے کوچہ سے مگر ہو کر

چلو جھگڑا مٹا کل حسرتِ دیدار نکلے گی
شبِ غم اب تو جائے گی قیامت کی سحر ہو کر

وہ دیکھیں یا نہ دیکھیں بھیجنے کی خط کی حاجت کیا
بیاں کر دے گا حالت دل کی نالہ نامہ بر ہو کر

تعجب خیز ہے تیغِ نظر کی سحر کاری بھی
کہ دل ٹکڑے ہوا اور سالم رہے سینہ سپر ہو کر

نشاں اپنا مٹا دے آدمی شہرت اگر چاہے
کیا عنقا نے کتنا نام پیدا جانور ہو کر

سمجھے تھے کہ دل عشرت کدہ بن جائے گا ضامنؔ
خبر کیا تھی بنے گا غم کدہ دل ان کا گھر ہو کر

--

گلشنِ جنّت سے آتی ہے صدا فریاد کی
کیا کسی عاشق نے رضواں بزمِ جاناں یاد کی

خوں بہایا گو کہ دنیا میں مگر اب حشر میں
خوں بہا ہے بس نگاہ شرمگیں جلّاد کی

باغ میں پوری ابھی آئی نہیں فصلِ بہار
اور بلبل پر نظر پڑنے لگی صیّاد کی

کیوں ہے چپ عاشق جو نالوں میں اثر موجود ہے
یا ہے تیرا پاس یا طاقت نہیں فریاد کی

ان کے کوچہ میں نہ پہونچی خاک میری بعدِ مرگ
دوستوں نے قبر میں مٹی مری برباد کی

نالہ ہائے آتشیں سے جل اٹھیں گی تیلیاں
ہم اسیرانِ قفس نے گر کبھی فریاد کی

محشر میں پیش داور اے دل عجب سماں ہو
وہ سر نگوں کھڑے ہوں ساکت مری زباں ہو

گر باغباں چمن میں بلبل پہ مہرباں ہو
ہر شاخ ہو نشیمن ہر پھول آشیاں ہو

بتیا بیوں سے میری برہم نہ یہ جہاں ہو
دل کو مرے سنبھالو نامِ خدا جواں ہو

دل میں کبھی ہو سمائے آنکھوں میں کبھی نہاں ہو
گھر میں ہو غیر کے بھی اک تم کہاں کہاں ہو

لطفِ جفا کی خواہش ہر عضوِ تن بنے دل
شکوؤں کی یہ تمنا ہر موئے تن زباں ہو

تیری ہی چارہ سازی کرنے پڑے گی مجھ کو
للہ چارہ گر تو میرا نہ رازداں ہو

جس کے دہن نہ ہو وہ لاکھوں سنائے باتیں
نالاں رہے جو ہر دم سن کر وہ بے زباں ہو

آنکھوں میں یوں بسا ہے حسن شباب ان کا
مجھ کو بہار ہی ہے گو باغ میں خزاں ہو

وصلت میں یوں نکل کر دل سے غبار چھائے
سوجھے نہ آسماں کو اس وقت تم کہاں ہو

سُنا ہے ہم نے کل تم بھی واں گئے تھے
کچھ حال ہم بھی پوچھیں قابو میں گر زباں ہو*

*کچھ حال تو سناؤ قابو میں گر زباں ہو

دامن جو ہاتھ میں ہو رسالت مآب کا
بیجا ہے اس کو پھر ہو جو کھٹکا عذاب کا

آنکھوں میں جلوہ ہے جو رُخِ بوتراب کا
پانی میں پھول تیر رہا ہے گلاب کا

دیکھے ہیں جب سے آپ کے رُخسارِ آتشیں
فرطِ قلق سے زرد ہے رنگ آفتاب کا

ساقی نہ ہوگا نشہ مجھے ایک جام میں
لاکر لگا دے منھ سے مرے خم شراب کا

حیرت سے ان کو دیکھ کے کہتا ہے آئینہ
دیکھا نہیں ہے میں نے رُخ اس آب و تاب کا

مجھ کو شب فراق میں یاد آگیا وہ شوخ
دیکھا جو میں نے حسن رخ ماہتاب کا

اے مہر تیرے عارض روشن کے سامنے
پھیکا پڑا ہے رنگ گل آفتاب کا

ضامن تجھے ہے خوف عبث روز حشر سے
دامن ہے تیرے ہاتھ میں جب بوتراب کا

--

مدّت ہوئی کہ جان سے ہم ہاتھ دھو چکے ہیں
بحرِ الم میں کشتی اپنی ڈبو چکے ہیں

فرقت میں اک صنم کی دریائے اشکِ خوں سے
دامن کو دشت کے ہم اکثر بھگو چکے ہیں

ہے ایک جان باقی اس کو بھی آپ لے لیں
مدت ہوئی کہ دل کو الفت میں کھو چکے ہیں

ہوش و حواس کب ہیں کیونکر بتائیں دل کو
الفت میں تیری ایماں ہم آپ کھو چکے ہیں

اے فلک تو نے چھڑایا آستانِ یار سے
کیا ملا تجھ کو بھلا ظالم مرے آزار سے

پاؤں میں تلوار ہے ہیں وہ حنا اغیار سے
کیوں نہ برسے خوں ہمارے دیدۂ خونبار سے

صحبتیں رہتی ہیں ان روزوں انھیں اغیار سے
وائے ناکامی کہ ہم محروم ہیں دیدار سے

لکھ رہا ہے نالہ ہائے آتشیں کا اپنے حال
کم نہیں اپنا قلم منقارِ موسیقار سے

عمر ساری کٹ گئی دیوانگی میں ہمنشیں
خاک چھانی کو بکو نکلا جو میں کہسار میں

خط وہ پڑھتا ہی نہیں تحریر کیا دوں قاصدا
حال جو دیکھا ہے کہہ دینا زبانی یار سے

یاد میں اس بحرِ خوبی کے ہیں گریاں رات دن
دیدۂ تر کم نہیں ہیں ابر دریا بار سے

پاؤں کی آواز ہے یا قُمِ باذنی کی صدا
مُردے زندہ ہوتے ہیں اس شوخ کی رفتار سے

حشر کا نقشا پھرا آنکھوں میں جب آیا وہ شوخ
اک قیامت ہو گئی پازیب کی جھنکار سے

رات کو سویا جو میرے ساتھ وہ گل پیرہن
آتی ہے بوئے رگ گل فرش کے ہر تار سے

وقت آخر بھی نہ آیا اپنے بالیں پر وہ شوخ
وائے قسمت ہم رہے محروم ہی دیدار سے

جب ہو حامی ایسا تو ضامنؔ کو ہو کیا خوف حشر
خلد میں لے گا مکاں وہ حیدر کرّار سے

— —

کیا کہیں جو ہجر میں حال دل رنجور ہے
مختصر یہ ہے کہ مر جانا مجھے منظور ہے

راہ الفت میں نہ پوچھو رہرو میرا ہراس
تھک گیا ہوں شام ہونے آئی منزل دور ہے

میں وفا سے منھ نہ موڑوں اور جفا چھوڑو نہ تم
یہ ہے شیوہ عشق کا وہ حسن کا دستور ہے

ہم کو ہر دم ہے تصوّر اس کو غفلت ہے مدام
ہم تو ہیں نزدیک اس سے اور وہ ہم سے دور ہے

ہو چکے اتنے تغیر دیکھیں اب آگے ہو کیا
دل میں پہلے درد تھا پھر زخم اب ناسور ہے

اس کو ہم پاتے نہیں جو ہے رگِ گردن کے پاس
اتنی نزدیکی پہ بھی کتنا وہ ہم سے دور ہے

میں قیامت تک سوالِ دید کرنے کا نہیں
بندہ پرور یاد مجھ کو داستانِ طور ہے

شمع بھی روشن ہے لے پروانہ مثل روئے یار
لیکن اتنا فرق ہے یہ نار ہے وہ نور ہے

دل جلائیں آپ سائل دید کی ہو گر زباں
اے صنم یہ داستاں مثل کلیم و طور ہے

روز تو کرتا ہے واعظ ذکر یارو بزم یار
اور کہتا ہے کہ یہ وصف بہشت و حور ہے

جلوۂ رخسار جاناں سے ہے دل یوں آشنا
کوندتی چاروں طرف نظروں میں برق طور ہے

دیکھیں طے ہوتی ہے ضامن کس طرح راہِ عدم
راستہ جانا نہیں تنہا ہوں منزل دور ہے

— —

حال جب پوچھا کسی نے ہجر کے بیمار سے
گر پڑے دو چار آنسو دیدۂ خونبار سے

آئے تو ہیں وہ شبِ وعدہ بڑے اصرار سے
شرم سے ہٹتا نہیں آنچل مگر رخسار سے

تیرے عاشق سے جو کرتے مشقِ دید لے برق وش
غش نہ آتا حضرت موسیٰ کو یوں دیدار سے

کیوں مریضِ غم نہ اپنی زیست سے مایوس ہو
کوئی بچتا ہی نہیں اس جاں گسل آزار سے

کام ہے اللہ سے دنیا سے ہم کو کیا غرض
مشتری یوسف کے ہیں مطلب نہیں بازار سے

آپ آئے وقت آخر موت آساں ہو گئی
بھر گئے آنکھوں کے ساغر شربتِ دیدار سے

دیکھ کر آزار رنجور محبت لاعلاج
ہاتھ عیسیٰ نے بھی کھینچا ہجر کے بیمار سے

دیکھ لینے سے نہ کم ہونا ہمارا اشتیاق
تشنگی کچھ اور بڑھتی شربتِ دیدار سے

فرشِ گل پر یادِ مژگاں سمن بر میں مجھے
دیتی ہے ایذا رگِ گل بھی زیادہ خار سے

مر گیا بیمارِ الفت ہو گیا جھگڑا تمام
غیر تم سے خوش رہیں تم خوش رہو اغیار سے

چین سے آغوشِ گل میں ہو بسر شبنم کی رات
ہم رہیں محروم دیدارِ گل و رخسار سے

کچھ وہی اچھے رہے شیخ و برہمن سے یہاں
چھٹ گئے جو لوگ قیدِ سبحہ و زنار سے

کیوں نہ کوتاہی پہ دستِ شوق کے افسوس ہو
لیتے ہیں گیسو ترے رُخ کی بلائیں پیار سے

عرش پر بھی ڈھونڈھ ہی لیں گی انھیں آنکھیں مری
چھپ نہیں سکتے نگاہِ آسماں سیار سے

تیروں کی بوچھار ہو جاتی ہے کوئے یار سے
جب نکلتی ہیں نگاہیں روزنِ دیوار سے

نذر ہیں ہم نے تو کر دی پیش کش جان عزیز
دیکھئے ہم کو صلہ ملتا ہے کیا سرکار سے

ہوتے جاتے ہیں وہاں زخمِ دل منھ پھٹ بہت
او ستمگر روز مل کر لبِ سوفار سے

گرم ہوتے ہیں مجھ ہی پر گو قصور غیر ہو
جان اک آفت میں ہے ان کے مزاج خار سے

دل نہیں پہلو میں اب کیا وادئی الفت کا ڈر
سہل ہے ہم کو گذرنا منزلِ دشوار سے

یاد میں ان کے لب لعلیں کے ضامن روز و شب
خون کے دریا رواں ہیں چشم دریا بار سے

مے انڈیلی میرے ساقی نے کچھ اس انداز سے
ہو گیا ساغر مشابہ چشمِ مستِ ناز سے

کب فلک واقف تھا ظلم و جور کے انداز سے
یہ چلن سیکھے ہیں تیری چشمِ مستِ ناز سے

مرغِ دل کو عشق ہے شاہینِ چشمِ یار سے
یہ وہ طائر ہے محبت جس کو ہے شہباز سے

ہم سے دل، دل سے جدا تاب و شکیبائی ہوئی
اک ستم پیشہ کے حسنِ تفرقہ پرداز سے

تارکِ دنیا بھی ہیں تیری طلب میں اے صنم
بے نیازی ہٹ گئی عالم کی تیرے ناز سے

غیر سے ملتے ہیں وہ میرے جلانے کے لیۓ
سوز پیدا کر رہے ہیں آج کل وہ ساز سے

دل کو کر دیتا ہے زخمی تیرِ مژگانِ بیاں
اور چھٹتا بھی نہیں ہے دستِ تیرانداز سے

تیری چشمِ لطف بھی جاں بخش ہے مانندِ لب
پر وہ جادو سے جلائے اور یہ اعجاز سے

تیری چشمِ لطف اور لب دونوں ہیں جاں بخش پر
ایک جادو سے جلائے اور اک اعجاز سے

ہو گئی معلوم دنیا کو حدِ عجز و نیاز
اے ستمگر میرے اور تیرے نیاز و ناز سے

صورِ محشر اور ٹھوکر میں تری اتنا ہے فرق
اس نے چپکے سے اٹھایا اس نے اک آواز سے

مار ڈالا تھا تری آنکھوں نے دنیا کو مگر
ہو گئیں عاجز لبِ جاں بخش کے اعجاز سے

سینہ سالم ہے کلیجہ کو خبر تک بھی نہیں
دل چرایا تیری نظروں نے عجب انداز سے

مے کدہ میں محتسب آیا مگر ہے بدحواس
ہل رہا ہے دل شکستہ شیشہ کی آواز سے

چشم میگوں کا جو دیکھا عکس بے خود ہو گیا
ساغرِ مے چھٹ پڑا دستِ بتِ طناز سے

صور اور محشر ہے اک افسانہ کیا جانے ہو کب
آپ دکھلا دیں تماشہ یہ خرامِ ناز سے

--

شکوہ نہ ان سے ہے نہ تو ان کی نظر سے ہے
ناکامی کا گلہ ہمیں دل اور جگر سے ہے

ملنے کا شوق ان کو جو تیغ نظر سے ہے
آگے جگر ہے دل سے کبھی دل جگر سے ہے

آئینہ سے وہ شوخ یہ کہتا ہے بار بار
ہم سا کوئی حسین بھی گذرا نظر سے ہے

پھر دیکھتے ہیں زخم جگر کو مرے وہی
یہ حال جن کے تیرِ نگہ کے اثر سے ہے

کشتی عمر ڈوبے نہ دانتوں کے عشق میں
ہر دم یہ خوف کثرت آب گہر سے ہے

ناسور ہے جگر میں الٰہی کہ دل میں ہے
بہتا لہو جو آٹھ پہر چشم تر سے ہے

شکل اس پری کی آنکھوں میں پھرتی ہے رات دن
تصویر اک بندھی ہوئی تار نظر میں ہے

پھینک کر خنجر گلے لپٹا ہے قاتل دیکھنا
ہاں کرامات نگاہ یاس بسمل دیکھنا

سینہ کو سالم رکھا زخمی کیا دل، دیکھنا
چارہ گر اعجازِ تیر ناز قاتل دیکھنا

ہٹ گئی ہے چہرۂ روشن سے اس گل کے نقاب
مجمع پروانہ و کبک و عنا دل دیکھنا

تیغ کے ہیں گھاٹ اترتے عاشق ابروئے یار
عشق کے دریا سے بے پایاں کا ساحل دیکھنا

کند ہو جائے چھری کچھ اور یارب وقتِ ذبح
دیر تک ہوتا میسّر روئے قاتل دیکھنا

چھوڑنا آنکھوں کا اپنی تجھ کو اے جاں سہل ہے
آپ کا پہلو میں ہے دشمن کے مشکل دیکھنا

یاد کرنا تم ہماری نامرادی دوستو
ڈوبتی کشتی اگر نزدیکِ ساحل دیکھنا

بزم میں ہم غمزدوں کا چھیڑنا اچھا نہیں
اور ہی ہو جائے گا کچھ رنگ محفل دیکھنا

ترکِ الفت کو کہا میں نے تو بولے ناز سے
ہاتھ رکھ کر اپنے سینہ پر ذرا دل دیکھنا

مرگِ پروانہ کا آخر اور کیا ہوتا اثر
چپکے چپکے رو رہی ہے شمعِ محفل دیکھنا

اُن کے قتلِ عام نے اتنا بڑھایا اتحاد
گبر و مُسلم کا ہوا ہے خون شامل دیکھنا

--

نظر چہرہ پہ اس کے خلق پر شمشیر قائل ہے
مرا مرنا بھی ہے دشوار اور جینا بھی مشکل ہے

جلانا مارنا کیا عاشقوں کا تم کو مشکل ہے
لب جاں بخش عیسیٰ ہیں نگاہ ناز قاتل ہے

مآل زندگی ہے ذائقہ اس دم جو حاصل ہے
وہاں زخم بسمل میں زبان تیغ قاتل ہے

جوانی ہے مریض عشق ہوں حسرت بھرا دل ہے
اجل آنا تو آساں ہے نکلنا دم کا مشکل ہے

اسے ہے ضبط آساں اس کو ترکِ ظلم مشکل ہے
یہ دل عاشق کا ہے اے جانِ جاں وہ آپکا دل ہے

وفائیں یاد آتی ہیں مری محبوب قاتل ہے
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے سخت مشکل ہے

نگاہ قہر و لطف اس شوخ کی دونوں قیامت ہیں
کہ اک ہے دشمنِ جاں دوسری غارت گرِ دل ہے

جو شیشہ سے بھی نازک ہے وہ ہے قلب حزیں میرا
جو پتھر سے زیادہ سخت ہے وہ آپ کا دل ہے

ہنسی سے لوٹتے ہیں وہ ادھر میں یاں تڑپتا ہوں
نہیں معلوم ہوتا کون قاتل کون بسمل ہے

کہاں تک ہو گی اب مشقِ ادا او محوِ آرائش
یہ آئینہ نہیں بیدرد میرا شیشۂ دل ہے

ضرورت ہو گی ہاتھوں میں نہ اب مہندی لگانے کی
حنا کے رنگ میں خوں باوفا عاشق کا شامل ہے

بتا تو دوں میں وجہ دردِ دل اے چارہ گر لیکن
خیال آتا ہے رہ رہ کر ترے پہلو میں بھی دل ہے

دکھائے ہیں ہمیں تو عشق نے کچھ اور ہی عالم
کسی کو جب سے دیکھا ہے نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے

چلے تو آئے تھے ضامن خوشی میں کوئے جاناں تک
پلٹنے میں مگر اک اک قدم پر ایک منزل ہے

جہاں میں ہو گیا یہ عام سودا تیری زلفوں کا
خزاں میں بھی ہر اک آزاد پابندِ سلاسل ہے

درِ دلدار ہے پیشِ نظر پر جا نہیں سکتے
کہ فرطِ ضعف سے ایک ایک قدم ایک ایک منزل ہے

کرو تم ظلم جتنا چاہو ہم ہیں صبر کو حاضر
تمھیں ترکِ وفا ہے سہل لیکن ہم کو مشکل ہے

غمِ فرقت کے صدموں سے نڈھال ایسا نہ ہوا اے دل
طریقِ عشق کے رہرو ابھی تو پہلی منزل ہے

ہنسیں وہ آپ میں غصہ سے لو بس بن چکیں زلفیں
بڑھی ہیں تیوریاں ان کی جو آئینہ مقابل ہے

شب فرقت میں کچھ ایسا دگرگوں حال ہو اب تو
کہ کٹنا آج کی شب کا مریضِ غم پہ مشکل ہے

الٰہی خیر ہو میں تو گرفتارِ محبت ہوں
اُدھر ہے اک تغافل کیش اِدھر حسرت بھرا دل ہے

بہار آتے ہی اتنا زورِ وحشت بڑھ گیا ضامنؔ
نہ زنداں میں ہیں دیوانے نہ پاؤں میں سلاسل ہے

--

بھری ہے اس نے مے لاجواب شیشے میں
اتر کے آیا ہے یا آفتاب شیشے میں

سمجھ کے توڑ دے گا اس کو حضرت واعظ
کہ میکشوں کی ہے جاں لے جناب شیشے میں

اٹھا کے آئینہ دیکھو ذرا رخ پر نور
دکھا دو لوگوں کو آج آفتاب شیشے میں

رکھو نہ دل میں ہماری عداوت اے صاحب
غبار آئے نہ اس لاجواب شیشے میں

یہ دیکھے کوئی لڑکپن ہمارے ساقی کا
بھرے ہیں نے کی جگہ پر کباب شیشے میں

شراب ایسی ہوئی سُرخ دستِ رنگیں میں
ہوا گماں کہ بھرا ہے شہاب شیشے میں

یہ میکشوں سے ہے کیوں شیشۂ فلک کو غرور
ہمارے پاس بھی ہے آفتاب شیشے میں

سیاہ بخت نہیں میکشانِ رند اے شیخ
کہ پاس رکھتے ہیں یہ آفتاب شیشے میں

حیاتِ تازہ ملی میکشوں کو پیتے ہی
بھری تھی کس نے یہ جھوٹی شراب شیشے میں

جو دیکھا یار کو بے ساختہ اُبل آئی
شراب کو یہ ہوا اضطراب شیشے میں

سدا ہیں مست مے حبِّ ساقی کوثر
ولا ہے قلب میں یا ہے شراب شیشے میں

نظر نہ دور سے اب کیجیے حضرتِ ضامن
اٹھا کے دیکھیے کیا ہے حیات شیشے میں

--

باغ عالم میں نہیں جمعیت خاطر کا لطف
پھول ہوکر باغ میں غنچہ پریشاں ہو گیا

دوست کے بھی دل کا ظاہر بغض پنہاں ہو گیا
اس پچھپے رستم کو دیکھو مردِ میداں ہو گیا

پھر مجھے سودائے زلف عنبر افشاں ہو گیا
پھر مرا مجموعۂ خاطر پریشاں ہو گیا

دیکھ کر محو جمال روئے تاباں ہو گیا
چشمِ عاشق کی طرح آئینہ حیراں ہو گیا

تھی اسی کے دم سے آبادی خدا بخشے اُسے
قیس جب سے مر گیا ویراں بیاباں ہو گیا

تصوّر بھی نہیں اس ماہ رو کا چھیڑ سے خالی
جگر میں لے رہا ہے بیٹھے بیٹھے چٹکیاں کوئی

ہوا ایسا ضعیف و ناتواں میں ہجر جاناں میں
کہ اب مشکل سے اپنے لب تک آتی ہے فغاں کوئی

وہ ہوں ناشاد و بیکس میں کہ میّت پر پسِ مردن
نہ ہوگا جز فراق و یاس اپنا نوحہ خواں کوئی

کہاں کا کوہکن کیا قصۂ مجنوں ہے سب بھولے
سنے بربادئ دل کی جو میرے داستاں کوئی

کروں کس سے شکایت آہ سختی ہائے ہجراں کی
نہیں ہے جز فراق و درد اپنا مہرباں کوئی

جب اعضائے بدن تک اپنے ہوں جاسوس اے ضامن
جہاں میں پھر بنائے کس کو اپنا رازداں کوئی

= =

نہ تجھ پر جان سے غش ہو نہیں ایسا یہاں کوئی
غضب ہے بے سبب اغیار پر ہے مہرباں کوئی

غضب ہے بے سبب اغیار پر ہے مہرباں کوئی
خفا ہے آج کل ہم سے نصیبِ دشمناں کوئی

جگر خوں ہو گیا کب تک کرے ضبطِ فغاں کوئی
اٹھائے جان پر اپنی کہاں تک سختیاں کوئی

وہاں ملتے ہیں وہ مجھ سے نہیں ہوتا جہاں کوئی
نہ ہوتا ہے مخل کوئی نہ پردا درمیاں کوئی

پئے جور و جفا ناحق تلاشِ غیر ہوتی ہے
میں حاضر ہوں اگر باقی رہا ہو امتحاں کوئی

علاج دردِ سر کیونکر نہ ہو امکان سے باہر
کوئی تلوار ملتی ہے نہ سنگِ آستاں کوئی

نہیں ممکن نہ ہوں چرچے ہمارے انکی الفت کے
زمانے میں کسی کی روک سکتا ہے زباں کوئی

نظر آتے ہیں مہر و ماہ داغِ سینۂ گردوں
گیا کیا آسماں تک نالۂ آتش فشاں کوئی

خدا کا نور کیا دیکھیں گے وہ جو کورِ باطن ہیں
مری آنکھوں سے دیکھے جلوۂ حسنِ بیاں کوئی

قناعت ہے نہ مسجد پر نہ کچھ ٹیکا ہے مندر پر
نہیں لازم عبادت کے لئے قید مکاں کوئی

حرم میں شور اذاں کا دیر میں ناقوس کا غل ہے
یہ ہنگامے فرو ہوں تو سنے میری فغاں کوئی

مٹی جاتی ہے ہستی شمع کی اور اف نہیں کرتی
زباں رکھ کر نہ ہو اس طرح یارب بے زباں کوئی

نہ واپس لیں گے اے ضامن دل اپنا ہم اسے دے کر
اگر مل جائے گا معشوق ہم کو قدر داں کوئی

رہتے ہیں دل میں وصل کے ارماں ہزارہا
آتے نظر ہیں خواب پریشاں ہزارہا

میں نے دیا جو دل تو بُرا کام کیا کیا
دیتے ہیں تم پہ جاں مری جاں ہزارہا

اس بُت کی میرے دل میں محبّت ہے آج کل
کافر ہوئے ہیں جس پہ مسلماں ہزارہا

جب دیکھئے ہجوم غم و یاس دل میں ہے
اس اجڑے گھر میں رہتے ہیں مہماں ہزارہا

جو اپنی جامہ زیبی سے واقف نہیں ابھی
ہوتے ہیں اس پہ چاک گریباں ہزار ہا

اے دل بہت نہ صدمۂ غم سے نڈھال ہو
پھوٹیں ہیں ایسی عشق میں ناداں ہزار ہا

دنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ دھیان ہے دیں کا
اس عشق نے آخر مجھے رکھا نہ کہیں کا

ہو جلوہ فگن رخ جہاں اس ماہ جبیں کا
رتبہ ہو فزوں چرخ سے اس گھر کی زمیں کا

طبقہ مرے نالوں سے الٹتا ہے زمیں کا
آہوں سے مرے ہلتا ہے دل عرش بریں کا

نکلا ہے وہ غارت گر ایماں پے سیر آج
اللہ نگہبان ہے ہر صاحبِ دیں کا

سینہ پہ مرے ہاتھ ہی رکھ دو پئے تسکین
کچھ درد تو کم ہو دلِ ناشاد و حزیں کا

اشکوں سے مرے اٹھے ہیں طوفان زمیں پر
آہوں سے مرے چھد گیا دل عرش بریں کا

لب کیا ہیں جگر بھی نہ ہو اس راز سے واقف
یوں عشق رہے دل میں کسی پردہ نشیں کا

انکار کیا وصل کا اس درجہ انھوں نے
ہاں کہتے ہیں تو لفظ نکلتا ہے نہیں کا

دل رہتا ہے ہر وقت مرا پاس تمھارے
یہ ہے وہ مکاں ساتھ جو دیتا ہے مکیں کا

اک تم ہی ہو ایسے کہ جو دل کرتے ہو برباد
آباد کرے گھر کو یہ ہے فرض مکیں کا

جب خود ہی وہ ساقی بنے اے زاہد ناداں
کس طرح خیال آئے پھر اس دم مجھے دیں کا

جب کھائیں ہیں چوٹیں دل عاشق کی طرح سے
روشن ہوا اس دہر میں تب نام نگیں کا

اک خون کے قطرہ کا گماں ہوتا ہے اس پر
صدموں سے یہ ہے حال مرے قلبِ حزیں کا

سر رکھ کے درِ بُت پہ بنا میں بھی مُسلماں
سجدے کا نشاں ہو گیا ہے داغ جبیں کا

مرہم کی صفت رکھتا ہے جذبہ مرے دل کا
جب آ گئے وہ زخم بھرا قلبِ حزیں کا

ضامن مجھے کچھ آتشِ دوزخ کا نہیں خوف
عاشق ہوں دل و جاں سے جو میں سرورِ دیں کا

کچھ پوچھو نہ وہ درد کی شدت ہے جگر میں
تھمتا نہیں دل چار گھڑی آٹھ پہر میں

آئے جو کبھی ہجرِ بت رشکِ قمر میں
ہو غرق فنا خواب مرے دیدۂ تر میں

ہم منھ نہ دکھائیں گے یہی پردہ سے کہہ دیں
ٹھہریں کسی قابل تو حسینوں کی نظر میں

روشن کرے فرقت میں سیہ خانے کو میرے
اتنی تو ہو توفیق کسی رشکِ قمر میں

اس بُت کا تصوّر بھی نہیں چھیڑ سے خالی
بیٹھا ہوا چٹکی کوئی لیتا ہے جگر میں

ہونا تنِ تیغِ نگہ ناز جنائی
اتنا بھی تو باقی نہیں اب خون جگر میں

مرتے ہوئے جی اٹھتے ہیں مر جاتے ہیں جیتے
اعجاز جو باتوں میں تو جادو ہے نظر میں

نوکِ مژہ یار کا رہتا ہے تصوّر
اک پھانس کھٹکتی ہے شب و روز جگر میں

ہر شے میں ترے نور کا جلوا نظر آیا
آئینہ میں خورشید میں تاروں میں قمر میں

تابع نگہِ نازبتاں کا ہے مرا دل
ہے جان مری قبضۂ شمشیرِ نظر میں

صیاؔد نے کس وقت کیا ہے مجھے آزاد
پرواز کی طاقت نہ رہی جب مرے پر میں

محفوظ جو ہو تیرِ نگہ سے ترے قاتل
وہ دل میں نہ دل ہے نہ جگر ہے وہ جگر میں

کیوں لاغروں کو غور سے تم دیکھ رہے ہو
دیکھو کہیں کانٹا نہ چبھے پائے نظر میں

رہتا ہوں مہینوں سے اسی فکر میں ضامنؔ
وہ ماہ دو ہفتہ کبھی آئے مرے گھر میں

دانوں سے تاک کے یوں نکلی شراب کیونکر
پیدا ہوا ستاروں سے آفتاب کیونکر

آنکھوں میں آئے آنسو دل سے شتاب کیونکر
جاری ہوا بلندی کی سمت آب کیونکر

منہ سے نہ میں کروں گا اظہارِ دردِ الفت
لیکن چھپاؤں آخر چشمِ پُر آب کیونکر

نے ہم نے دل بنایا نے بت بنائے واعظ
الفت میں ہوگا آخر ہم پر عذاب کیونکر

ہجراں نصیب تیرے ہر اک سے پوچھتے ہیں
کہتے ہیں نیند کس کو آتا ہے خواب کیونکر

ہنگام نزع ہنس دو میرے سوال پر تم
پھر دیکھوں زندگی ہے دیتی جواب کیونکر

بیجا ہے خوف محشر بس آؤ شغل مے ہو
مہماں ہو تم ہمارے ہوگا حساب کیونکر

ناداں مقابلے میں دانا کے کیا ٹھہرتا
پیری کی سن کے آمد رہتا شباب کیونکر

پڑ جائے ایک ذرّہ تو بھی پلک نہ جھپکے
آنکھوں میں تم سماؤ تو آئے جواب کیونکر

زاہد کو جامِ مے میں دکھلائیں یہ تماشا
مہتاب میں سماتا ہے آفتاب کیونکر

احساس رنج کیسا جب سامنے وہ ہوں گے
محشر میں دے گا ایذا یہ آفتاب کیونکر

دل پاک مے سے کیسے ہوتے ہیں کیا بتائیں
طاہر زمین کرتا ہے آفتاب کیونکر

یہ بتاتا خلق کو کار کمان و تیر ہے
کامیابی میں جواں کو احتیاج تیر ہے

عرش کے ارکان مل کر سب فرشتے تھام لیں
میرے زخمی دل پہ وہ ظالم لگاتا تیر ہے

زخم بھی دل کے بھرے ان کی نگاہِ ناز نے
جس میں مرہم کی بھی ہے تاثیر یہ وہ تیر ہے

یہ جو نکلا دل سے پھر تن سے نکل جائے گی روح
چارہ گر تجھ کو نہیں معلوم کس کا تیر ہے

دل کے ٹکڑے اڑ گئے لیکن نکلتا ہی نہیں
یا الٰہی کس جگہ پیوست ان کا تیر ہے

ضد یہ خود سنگ حوادث کے ہیں رکھ دیتا اسے
شیشۂ دل میں الٰہی لیکن اک تصویر ہے

دل بھی ایسی چیز تھی پہلو میں رکھتا ہیں جسے
جان سے پیاری مگر ہاں اس میں اک تصویر ہے

کیسی تنہائی خیال یار ہے جب ہم نشیں
کیسی فرقت ہم بغل جب اس کی خود تصویر ہے

دم نہیں تن میں ہیں سب خاموش رعب حسن سے
بزم جاناں ہے کہ کوئی عالم تصویر ہے

اب ترقّی اور تغیر دیکھ حُسن و عشق کا
یہ تری تصویر ہے اور یہ مری تصویر ہے

حلقۂ در تیرا ظالم قید خانہ ہے مجھے
زلف کا تیرے تصور پاؤں کی زنجیر ہے

جان دی ہے آپ کے سودائی نے کس جوش میں
سر ہے زخمی اور ٹوٹی پاؤں کی زنجیر ہے

آرزو مند نگاہ یار ہے ہر وقت دل
تیر کا خواہاں جہاں میں اک یہی نخچیر ہے

اے فلک کس کی مدد سے تجھ سے ہم لیں گے عوض
یار بھی نامہرباں نالہ بھی بے تاثیر ہے

دیکھنا ہے خود ہی آکر سربسجدہ کون ہو
اب تو ضامن دل ہے میرا اور ان کا تیر ہے

--

جب سے رازِ بے ثباتی کا یہ دل محرم ہوا
خرمی غم میں ہوئی حاصل خوشی میں غم ہوا

باغ میں گل آسماں پر چاند محفل میں چراغ
حسن کا ہر ایک جلوے میں نیا عالم ہوا

اہلِ باطن جو ہیں وہ محتاج غیروں کے نہیں
زخم تیغ ناز کب شرمندۂ مرہم ہوا

ہر قدم پر راہِ عرفاں میں ہوا طے اک جہاں
جب بڑھا پیشِ نظر اک دوسرا عالم ہوا

بے گناہی سے کہیں افضل ہے شرمِ معصیت
یہ صفت وہ ہے کہ مسجودِ ملک آدم ہوا

روزنِ زخمِ جگر کو بندِ پیکاں نے کیا
زخم نو زخمِ کہن کے واسطے مرہم ہوا

غرق اس کے واسطے میں ہوئی تر دامنی
اک ذرا اشکِ ندامت سے جو دامن نم ہوا

شق ہوا سینہ زمیں کا بھی لحد کے نام سے
اس قدر تیرے شہیدِ ناز کا ماتم ہوا

خود بخود آغوش اس گلرو کا وا ہو جائے گا
میں اگر گریاں کسی دن صورتِ شبنم ہوا

عشق کی طینت میں مضمر تھی اطاعت حسن کی
تیغ ابرو جب نظر آئی وہیں سر خم ہوا

قابلِ عبرت ہے ضامنؔ اس طرح کی بیکسی
بعدِ مُردن غیر کے گھر میں مرا ماتم ہوا

دیکھنے جاتا ہے جلوہ تری رعنائی کا
اب خدا ہی ہے نگہبان تماشائی کا

زندگی میں تو بھلا دردِ جگر کیا جاتا
جان لی تم نے کیا کام مسیحائی کا

آئینہ دار بنیں جبکہ ہزاروں عالم
کیوں نہ پھر ذوق بڑھے ان کو خودآرائی کا

بے خطا طور کو پھونکا مگر اللہ رے رحم
پر وہ محفوظ رکھا چشمِ تمنائی کا

خون گھٹتا ہی رہا جسم کا فصدوں کے سبب
جوش بڑھتا ہی گیا آپ کے سودائی کا

سامنا صبح قیامت کی مصیبت سے پڑا
سلسلہ ختم ہوا جب شبِ تنہائی کا

باندھنا چاہیے اب خنجر ابرو کا خیال
یوں تو آساں نہیں کٹنا شبِ تنہائی کا

رحم بھی کرتے ہیں تا ہو نہ اثر ظلم کا کم
ہونے دیتے نہیں خوگر شبِ تنہائی کا

عرف میں کہتے ہیں بجلی کا چمکنا جس کو
ہے وہ بگڑا ہوا نقشہ تری انگڑائی کا

میرے چپ رہنے کا مطلب وہ سمجھ جاتے ہیں
اب خموشی میں اثر آگیا گویائی کا

ان کو افسانۂ غم سننے کا کب شوق ہوا
جب زباں کو مرے یارا نہیں گویائی کا

خوب ہی وقت ملا مشق تصوّر کے لئے
وہ جو ہیں پاس نتیجہ ہے یہ تنہائی کا

دیکھنے جاتے ہیں سب لوگ تغیّر اس کا
ہے تماشا ترے جلوے کے تماشائی کا

غیر کی بھی کہیں گھرا کے نہ بر لائیں مراد
حال پوچھیں نہ مریضِ غمِ تنہائی کا

اہلِ دل سے تو جہاں ہو گیا خالی ضیا میں
عشق اب نام ہے اس عہد میں رسوائی کا

--

یہاں تک نور پھیلا ہے کسی کے روئے تاباں کا
فروغِ حسن پردہ بن گیا ہے چشمِ عرفاں کا

سماں آنکھوں میں چھایا یہ گلِ رخسارِ تاباں کا
کہ صحرا پر ہوا دھوکا مجھے اکثر گلستاں کا

یہ دیکھا میل قاتل کی گلی میں کفر و ایماں کا
کہ مل جاتا ہے واں پر خوں تک گبر و مسلماں کا

لگا دیں فصلِ گل میں اک تری تصویر زنداں میں
یہ دیواروں پہ نقشہ کھینچتے ہیں کیوں بیاباں کا

پسینے کی جگہ آنے لگا خوں ہر بن مو سے
چھپانا غیر ممکن ہو گیا اب زخم پنہاں کا

نگاہ معرفت نے اور دیوانہ کیا مجھ کو
نیا عالم دکھاتا ہے ہر اک ذرّہ بیاباں کا

زمانے میں جو اسرارِ جنوں کا بن گیا دفتر
وہ اک پرزہ تھا اے مجنوں مرے چاکِ گریباں کا

ترے پامال کرنے سے مری تربت ہوئی روشن
نشانِ پائے رنگیں نے کیا عالم چراغاں کا۔

ہوا اشکوں سے میرے تر وہ زمیں کوچۂ قاتل
جہاں روز ایک دریا خشک ہو خونِ شہیداں کا

ملے گا چین اس سے اے مرے آرام کے دشمن
جفا جو ہے تو پھر خوگر نہ کر شب ہائے ہجراں کا

--

ان کے جانبازوں کو وقتِ امتحاں یہ جوش تھا
جان بارِ جسم تھی اور سر وبالِ دوش تھا

میری خاموشی میں عالم میں فغاں کا جوش تھا
منھ سے جب فریاد نکلی تو جہاں خاموش تھا

دھن میں نالوں کے بھلا کب بلبلوں کو ہوش تھا
ورنہ ہر گل رات بھر کھولے ہوئے آغوش تھا

نالہ کرنے والوں کی تسکین کرتا تھا کوئی
کیا قیامت اس پہ گزری ہوگی جو خاموش تھا

اپنے کرداروں کا محشر میں نتیجہ یہ ہوا
فاش پردہ کر رہا تھا وہ جو پردہ پوش تھا

نالۂ بلبل پہ غنچوں تک کے منہ پھولے رہے
گریۂ شبنم پہ وا ہر پھول کا آغوش تھا

حسن نے جس کے ڈالا اک جہاں میں تفرقہ
اس کو اپنا کر لیا یہ عشق ہی کا جوش تھا

دیکھ کر گلشن میں تم کو ہوگئے ہیں صُم و بکُم
ورنہ سوسن کے زباں تھی اور گل کے گوش تھا

ہو رہا تھا عرصۂ محشر میں دنیا کا جواب
منتیں کرتا تھا کوئی اور میں خاموش تھا

نغمۂ بلبل میں تھا کس کے فسانہ کا مزا
جس کے سننے کے لئے ہر گل سراپا گوش تھا

ڈھونڈتے اس وقت سے ہیں اہل عالم اپنے دل
جبکہ ان کے گیسوؤں کا سلسلہ تا دوش تھا

اور کرتا کس سے عز اپنی کشاکش کا بیاں
دسترس سوفار قاتل کا فقط تا گوش تھا

عشق نے دل میں اٹھایا تھا یہ طوفانِ الم
ایک ایک قطرے میں خوں کے بحر غم کا جوش تھا

باغ پھولوں سے بھرا تھا دشت تھا سبزے سے پُر
ایک خالی موسمِ گل میں مرا آغوش تھا

عرصۂ محشر میں تو اس کے تھے فریادی بہت
ڈر رہا تھا اس سے کیوں ظالم کہ جو خاموش تھا

بیخودی کرتی تھی میری اہلِ عالم پر یہ طعن
بے خبر جس نے تمھیں رکھا تمھارا ہوش تھا

اس کی گردن پر تھا اک عالم کا خونِ روزِ جزا
جس پہ اپنی زلف کا سایہ بھی بارِ دوش تھا

گبر و مسلم دیر و کعبہ میں تھے اس کو ڈھونڈتے
اپنے جلوے ہی کے اندر آپ جو روپوش تھا

بُت بنا تھا جلوۂ حسن صنم کو دیکھ کر
آج گو منبر پہ تھا واعظ مگر خاموش تھا

تھا وہ دل کی روح لیکن تھا عیاں مانندِ حسن
نور آنکھوں کا تھا پر مثلِ نظر روپوش تھا

دل تھے جب عالم کے قابو میں تو خود ناداں تھے تم
ہوش جب تم نے سنبھالا تو جہاں بیہوش تھا

خون شہر گر سے کئی دھاروں میں ہوتا تھا بلند
ہائے تیرے بسملوں کے دل میں کتنا جوش تھا

دل کے جانے کی مجھے کس طرح سے ہوتی خبر
نذرِ حسنِ یار جو پہلے ہوا وہ ہوش تھا

حسنِ غارت گر نے ان کے تو مچا رکھی تھی دھوم
کون اپنا دل بچاتا کس کو اتنا ہوش تھا

طور پر موسیٰ کا غش ہونا تو کل کی بات ہے
میں ازل ہی میں تجلّی سے تری بیہوش تھا

ہوتا تھا بیہوشی میں کیا برق تجلّی کا اثر
اس سے پوچھو حضرت موسیٰ کہ جس کو ہوش تھا

شیخ جی کی آج کس بدمست سے آنکھیں لڑیں
توبہ توبہ کر رہا تھا وہ کبھی جو مے نوش تھا

جم گیا تھا رنگ رندوں کا کچھ ایسا اب کی سال
شیخ تھا بادہ فروش اور محتسب مے نوش تھا

تا فلک پہونچا زمیں سے اور بنا رنگِ شفق
خون میں ضامنؔ شہیدوں کے بھی کتنا جوش تھا

امید و یاس نہ ہوتی جہاں وہاں ہوتا
جو میرا پردۂ ہستی نہ درمیاں ہوتا

حضور ہوتے جو درد آشنائے صدمۂ ہجر
تو جس زباں پہ نہیں ہے اسی پہ ہاں ہوتا

نگہ کا کام مٹاتے نہ گر لبِ جاں بخش
تو آپ ہوتے زمیں ہوتی آسماں ہوتا

محال تھا مرا اٹھنا جہانِ فانی سے
اگر یہاں پہ کہیں تیرا آستاں ہوتا

اب اپنے دیدہ و دل فرشِ راہ ہوتے ہیں
قدم کا ان کے زمیں پر نہیں نشاں ہوتا

کرم حضور جو کرتے خوشی سے مر جاتا
ستم تھی آفت دل یہ بلائے جاں ہوتا

گزند برق سے محفوظ باغ تو رہتا
چمن میں کاش ہمارا نہ آشیاں ہوتا

نہ ہوتی دل میں اگر کوئی ارزو تو بھی
مرا سر اور ترا سنگِ آستاں ہوتا

وہ سُن رہے ہیں مجھ ہی سے فسانۂ شبِ غم
ہر ایک عضو کی حسرت ہے میں زباں ہوتا

نکلتی منھ سے اگر میرے آہ آتش بار
تمھیں بتاؤ یہی رنگِ آسماں ہوتا

یقین تھا کہ خود اپنی نظر انھیں لگتی
جگر کا میرے جو زخم نہاں عیاں ہوتا

ہر اک حجاب دکھاتا نیا نیا جلوہ
وہ اور ہوتا عیاں جس قدر نہاں ہوتا

نظارہ سوز تھا جب اس کے حُسن کا جلوہ
تو اس کی کیا تھی ضرورت کہ وہ نہاں ہوتا

تباہ کرنے کی خاطر شباب آیا تھا
مٹاتا اور بھی دو دن جو میہماں ہوتا

بڑھاتا جلوۂ محبوب گھر کی ویرانی
مکان اس کی تجلّی سے لامکاں ہوتا

وہی تھے مایۂ دل اور وہی تھے جانِ مری
زیاں انھیں کا تھا میرا جو امتحاں ہوتا

ہر اک شخص کو ہے جاں عزیز اے ضامنؔ
جہاں میں کون تھا میرا جو رازداں ہوتا

ــ ــ

مژگاں تک آکے اشک کچھ ایسا بکھر گئے
دنیا کے آب شنار نظر سے اتر گئے

میری طرف سے جب وہ نظر پھیر کر گئے
کیا کیا خیال دل میں نہ میرے گذر گئے

نکلیں گے مشکلوں سے یہ قسمت کے پیچ ہیں
گیسو نہیں کہ ہاتھ لگا اور سنور گئے

سیلاب میرے دیدۂ تر کا ہوا نہ کم
دریا ہزار بار چڑھے اور اتر گئے

مظلوم دل کی آہ کا اللہ رے اثر
تھرّایا عرش یوں کہ فرشتے بھی ڈر گئے

تیروں سے آج کون نشانہ اڑائے گا
مدّت سے بیقرار جو دل تھے ٹھہر گئے

جب یہ سُنا سکون ہی کا نام موت ہے
آئے اور آکے قلب پہ وہ ہاتھ دھر گئے

ساقی ہماری مُردہ دلی کا نہ پوچھ حال
ابکی بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

دنیا کے سحر کو جو ہوا شوق نام کا
شوخی کے نام سے تری آنکھوں میں بھر گئے

تکلیفِ نزع تا کہ رہے حشر تک یونہیں
وہ وقتِ جاں کنی مری تسکین کر گئے

ضامنؔ وہ امتحانِ وفا لے رہے ہیں آج
زندہ وہی رہیں گے جو اس وقت مر گئے

--

باعثِ زیست ترے تیر کا پیکاں نکلا
درد ہم جس کو سمجھتے تھے وہ درماں نکلا

مسجد و بُت کدہ خالی نظر آئے یکسر*
جس طرف سے گروہ غارت گرِ ایماں نکلا

عالم ذرہ ہی سے ہر گل ہے تیرا سودائی
ایک اک غنچے کی مٹھی میں گریباں نکلا

میں نے بُت خانے میں اللہ کی قدرت دیکھی
برہمن بن کے گیا ہو کے مسلماں نکلا

---

* زاہدوں نے کیے جھک جھک کے وہیں سجدۂ شکر

لطف نے مجھ کو تغافل سے کیا بڑھ کے تباہ
تم سے بدخو کا کرم بھی ستمِ جاں نکلا

ضو فشاں سینۂ مجروح سے ہے ہر لحظہ
داغِ دل اپنا چراغِ تہِ داماں نکلا

خارِ صحرا نے بصد شوق لیے سر پہ قدم
تیرا وحشی جو کبھی سوئے بیاباں نکلا

ایک ہی جلوۂ جہرہ میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر مرا جامۂ کتاں نکلا

ہر طرف دیکھ کے عکس اپنا یہ فرماتے ہیں
آئینہ خانہ حقیقت میں پرستاں نکلا

ٹوٹتا ہے جو ہر اک بات میں دل کیا ہو امید
یہ تو ضامن کسے بد عہد کا پیماں نکلا

--

بے خطا لوگ جہاں قتل کیے جاتے ہیں
وہیں یہ حضرتِ دل ہم کو لیے جاتے ہیں

آنسو آتے ہیں مگر ضبط کیے جاتے ہیں
تشنۂ دید ہیں دریا بھی پیئے جاتے ہیں

نقد سودا یہ محبت میں حسیں کرتے ہیں
دل لیے جاتے ہیں اور داغ دیے جاتے ہیں

تھی کبھی شربتِ دیدار سے ان کے سیراب
آنسو اب آنکھوں میں بھر بھر کے پیئے جاتے ہیں

ہو کے مجروح بھی دل میں یہ تڑپ باقی ہے
زخم ہر روز کئی بار سیے جاتے ہیں

دیدے ہاتھوں میں رُخ یار کی ناصح تصویر
جیب دیوانوں کے بیکار سیے جاتے ہیں

رنج و غم تیغ سے قاتل کے کریں گے مجبوب
خون جتنا ہے یہ کمبخت پیئے جاتے ہیں

کیا بُرا ہے جو وہ کر لیتے ہیں جھوٹے وعدے
مرنے والے تو سہارے پہ جیئے جاتے ہیں

شوق دیدار رُخ یار الٰہی توبہ
آج ہم غیر کا پیغام لیے جاتے ہیں

مدّعا حضرت ناصح کا میری تسکیں ہے
نام لیکن ترا ہر وقت لئے جاتے ہیں

لذتِ عشق ہی دنیا میں ہے سرمایۂ زیست
تم پہ مرتے ہیں اسی سے تو جئے جاتے ہیں

طالب عفو ہیں نادم ہیں گنہگار ہیں ہم
اک خموشی ہیں جواب اتنے دیئے جاتے ہیں

کھول دیتے ہیں وہ جلدی سے بندھی زلفوں کو
وحشیوں کے جو گریبان سیے جاتے ہیں

لاکھ صورت سے کریں جلوہ نمائی لیکن
وہ ہر اک رنگ میں پہچان لیے جاتے ہیں

دیکھنے والے چلیں دادِ وفا ملتی ہے
آج ٹکڑے دلِ ضامنؔ کے کیے جاتے ہیں

کیا کہیں رنج دیے کیا غمِ تنہائی نے
مختصر یہ ہے کہ دی جان تمنّائی نے

کس کا دل چُور کیا تیری خود آرائی نے
بن گئے جس سے کہ اٹھارہ ہزار آئینے

بیخودی میں رہا دنیا کے الم سے آزاد
زندگی خوب بسر کی تیرے سودائی نے

باعثِ دیدِ رُخِ یار ہوئی ہو کے دراز
صبحِ محشر کو دکھایا شبِ تنہائی نے

چشمِ عرفاں نے انھیں میں ترا جلوہ دیکھا
نظر انداز کیا تھا جنھیں بینائی نے

بیخودی میں ہوئے سب راز نہفتہ معلوم
عقل کو راہ بتا دی ترے سودائی نے

سنگِ در کا نہ رکھا اس کے نشاں تک باقی
مجھ کو مجحوب کیا میری جبیں سائی نے

جی نہ گھبرانے دیا پاس رکھا ان کو مدام
کتنے آرام دیے ہیں مجھے تنہائی نے

تجھ کو اس بت کا ہو دیدار نصیب اے واعظ
خلق کو تنگ کیا ہے تری گویائی نے

بیخودی میں نہ رہی دیر و حرم کی بھی تمیز
ایسا دیوانہ کیا شوقِ جبیں سائی نے

عشق سے حسن کی توقیر بڑھی ہے ضامنؔ
ان کو مشہور کیا ہے مری رسوائی نے

گر حُسن جنوں افزا میں رنگِ وفا ہوتا
بستی نہ اجڑ جاتی جنگل نہ بسا ہوتا

وہ ساتھ مری میّت کے دو ہی قدم چلتے
کچھ دیر نہ وبالا عالم تو ہوا ہوتا

اک ڈھنگ یہ گر اپنی طاعت انھیں خوش آتی
پھر شیخ و برہمن میں جھگڑا نہ پڑا ہوتا

گر چاہتے وہ خود بھی کوئی انھیں پہچانے
ہنگامِ نظارہ کیوں ہر جلوہ نیا ہوتا

تم اپنی نقاب رخ اک دن تو اٹھا دیتے
دنیا میں اگر محشر ہوتا بھی تو کیا ہوتا

دو باتوں کی خواہش ہے بیمارِ محبّت سے
یا دیکھنے وہ آکر یا درد سِوا ہوتا

کیونکر کہوں خوش ہوتا غم دوست ہوں مدّت سے
کیا رنج نہ ہوتا جب غم دل سے جُدا ہوتا

جب ان کی ادائیں تھیں مصروف جفاکاری
آئینہ دکھا دیتا اس وقت تو کیا ہوتا

ہوتا نہ مقابل گر تیرے خم اَبرو کے
کاہے کو ہلال اتنا لمنا ہوتا

سودائی کو ہاتھوں سے گر طوق پنہا دیتے
پھر دیکھتے اک عالم دیوانہ بنا ہوتا

گر گر کے نقاب اٹھتی تھم تھم کے نظر پڑتی
رک رک کے نکلتا دم رہ رہ کے فنا ہوتا

پنہاں ہیں حجابوں میں اس پر تو یہ عالم ہے
ظاہر جو کہیں ہوتے کیا جانیے کیا ہوتا

سن لیتا اگر ضامنؔ میرا کوئی افسانہ
دنیا سے محبّت کا پھر نام مٹا ہوتا

یکساں ہے حال میرے دلِ داغدار کا
فصلِ خزاں ہو یا ہو زمانہ بہار کا

مختار دل جو تھا اسے مجبور کر دیا
اللہ رے زور گریۂ بے اختیار کا

حشر آگیا جہاں میں قیامت ہوئی بپا
دیکھا سکون میرے دلِ بیقرار کا

ناسور ہو گئے ہیں دلِ بے قرار میں
رونا ہے ضبط گریۂ بے اختیار میں

نظروں سے گر گئی غمِ فرقت کے سامنے
سنتے تھے نام گردشِ لیل و نہار کا

دنیا کے انقلاب کا ہوتا ہے ذکر جب
آتا ہے پہلے نام دلِ بے قرار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

ضامنؔ پیو کبھی جام کہ وقت پھر کہاں
فصلِ شباب اور زمانہ بہار کا

--

ازل سے بلاؤں کی منزل یہی ہے
فلک جس پہ ٹوٹے ہیں وہ دل یہی ہے

اٹھائے ہے الفت کا بارِ گراں جو
وہ آفت کا مارا ہوا دل یہی ہے

لبِ گور سے آرہی ہیں صدائیں
عدم کے مسافر کی منزل یہی ہے

مچائی ہے کونین میں دھوم جس نے
وہ برہم کُنِ دو جہاں دل یہی ہے

پریشان ہو دل نہ زلفوں میں کیونکر
محبّت کی پیچیدہ منزل یہی ہے

تڑپتا ہے دل یادِ چشمِ صنم میں
جو قاتل کو چاہے وہ بسمل یہی ہے

جہاں میں ہر اک دل ہے جویاں خوشی کا
تلاشِ مسافر میں منزل یہی ہے

مٹا دے حیا کو بھی جوشِ جوانی
مری حسرتِ دل کی قاتل یہی ہے

انھیں دیکھ کر ہم ہیں خاموش ضامنؔ
مگر دل یہ کہتا ہے قاتل یہی ہے

گر بے نقاب حُسنِ جنوں زا کرے کوئی
صحرا کو شہر شہر کو صحرا کرے کوئی

کیوں اس طرح کا پردۂ بیجا کرے کوئی
ہم تو نہ دیکھیں اور ہمیں دیکھا کرے کوئی

کہتے ہیں تم کو زندۂ جاوید کر دیا
اب کیسے خوں کا حشر میں دعویٰ کرے کوئی

دل کو جلا کے آنکھ سے آنسو کرے رواں
دریائے اشک آگ سے پیدا کرے کوئی

صیحت ان ابروؤں کے اشاروں سے ہو نصیب
تیغیں چلا کے کارِ مسیحا کرے کوئی

طوفانِ اشک آنکھ میں ہم سے نہ رک سکا
کس طرح بند کوزے میں دریا کرے کوئی

بیکار ہو رہے ہیں سب اندازِ دلبری
اب دل بھی اور خلق کے پیدا کرے کوئی

خلوت میں چھیڑ دیتے ہیں ذکرِ غمِ فراق
ان کی یہی ہنسی ہے کہ رویا کرے کوئی

فکرِ معاش کسبِ معیشت حصولِ جاہ
دو روز کی حیات میں کیا کیا کرے کوئی

مشہود بن گئی ہے ہر اک شے خیال سے
کہہ دو کہ اور آنکھ سے پردا کرے کوئی

ہر اہل دل کی آبرو کھو دی کلیم نے
کیا چار آنکھ برقِ تجلّی کرے کوئی

ناکامیاں خود اپنے ہی پہچاننے کو ہیں
اس آئینہ میں آپ کو دیکھا کرے کوئی

دیوانگانِ عشق کے رہنے کا ہے مقام
بہتر ہے یہ کہ خلد کو صحرا کرے کوئی

ضامنؔ کٹی جب آج کی شب انتظار میں
کیا اعتبار وعدۂ فردا کرے کوئی

رشک کے قابل ہے قسمت اس دلِ نخچیر کی
جس میں رہتی ہو کھٹک ہر دم کسی کے تیر کی

رنگ خوں ہو کر نہ کیوں ٹپکے مری تصویر سے
انتہا ہے کوئی ضبط آہ پر تاثیر کی

الفت زلف معنبر میں بڑھا یہ مرتبہ
نذریں گذریں قیدیوں کو طوق اور زنجیر کی

فصلِ گُل کے آتے ہی ایسا ہوا جوشِ جنوں
خود بخود کھلنے لگیں کڑیاں مری زنجیر کی

ہوں وہ دیوانہ کہ فصلِ گل میں بعد از مرگ بھی
نذر ہوتی ہے، ہماری قبر پر زنجیر کی

کیوں نہ ہوں ممنون تیرا اے تپِ سوزِ جنوں
پاؤں میں پڑتے ہی کڑیاں گل گئیں زنجیر کی

یار کی تصویر لٹکا دی گئی زنداں میں آج
اب ضرورت طوق کی کچھ ہے نہ ہے زنجیر کی

یادِ گیسو میں عبث ہے دامِ سنبل کی ہوس
کیفیت ہے موجِ بوئے گل میں بھی زنجیر کی

گلشنِ عالم میں شاید آ گئی فصلِ بہار
سانس کا ہر تار دیتا ہے صدا زنجیر کی

دے رہی ہے طاقتِ گفتار اب مجھ کو جواب
جب بیانِ غم نے ان کے دل پہ کچھ تاثیر کی

لذتِ دردِ محبّت اس سے پوچھا چاہیئے
جس کی رگ رگ میں کھٹک ہوتی ہو ضامن تیر کی

▬ ▬

یوں تو ہر غمزہ ترا ہوش ربا ہوتا ہے
جان وہ لیتا ہے جو شوخ ذرا ہوتا ہے

دل کی تسکین سے غم عشق سوا ہوتا ہے
درد ہی دردِ محبّت کی دوا ہوتا ہے

آنکھ کو لطف ملا جو وہ بیاں ہو کیونکر
دیکھا جو کچھ وہ زباں سے کب ادا ہوتا ہے

خاکساری سے ملے دارِ فنا میں عزّت
دیکھ لو نقشِ قدم راہ نما ہوتا ہے

چھیننے کے لئے دل ناز ہو یا ہو انداز
ایک سے ایک لگاوٹ میں سوا ہوتا ہے

دل کو ہے ان کے تغافل کی شکایت بے سود
کہیں ان باتوں کا الفت میں گلا ہوتا ہے

ماہ رویوں کو وہی رنگ حنا ہے مرغوب
خون جس میں کہ شہیدوں کا ملا ہوتا ہے

چاند ماتھے سے ہٹاتا ہے وہ مہرو دم صبح
شمع رخسار سے پروانہ جدا ہوتا ہے

ہاں نمک زخموں پہ تم یونہی چھڑکتے جاؤ
درد بڑھتا ہے تو آرام ذرا ہوتا ہے
دیکھنے والو چلو قتل گہ ضامن میں
چاہنے والے کا حق آج ادا ہوتا ہے

کیا خبر تھی کہ سمجھتے ہیں جسے دل اپنا
منزلِ یار ہے اور رہبرِ منزل اپنا

ابتدا غم کی ہے اور ڈوبتا ہے دل اپنا
غرق ہوتا ہے سفینہ لبِ ساحل اپنا

نزع کے وقت وہ بالیں پہ مری آئے ہیں
مرنا آسان نہیں جینا ہے مشکل اپنا -

راہِ الفت میں قدم رکھتے ہی ایسا بدلے
نہ حواس اپنے رہے اور نہ رہا دل اپنا

اتنی مدّت سے جدا ہے ترا وحشی اس سے
کہ ملے بھی تو نہ پہچان سکے دل اپنا

لہلہا اٹھے چمن فصلِ بہار آتے ہی
کلیاں سب پھول ہوئیں پر نہ کھلا دل اپنا

قتل کرکے ہمیں جانبازوں میں عزّت بخشی
زندہ تا روزِ قیامت رہے قاتل اپنا

زندگی بھر نہ جدا ہوتی ترے ہاتھوں سے
خون ہوتا جو حنا میں کہیں شامل اپنا

ہم سے اس کو ہیں چھٹے ہوش و قرار و تمکیں
قافلہ لوٹا گیا ہے سرِ منزل اپنا

جاتے ہیں بحرِ حوادث میں کہاں کیا بتلائیں
موت آجائے جہاں ہے وہی ساحل اپنا

زرد رو ہے جو زمیں تو ہے فلک نیلی پوش
ایسے غمدیدوں میں کیا خاک ہو خوش دل اپنا

فصلِ گل آتے ہی ہم تیر سے صحرا کو گئے
جوش کم کر نہ سکے طوق و سلاسل اپنا

ذکر ہی کیا ہے جو ہونا تھا ہوا الفت میں
کیا کسی سے ہو گلا جب نہ ہوا دل اپنا

سیل اشکوں کی رواں کیوں ہے مری آنکھوں سے
ٹوٹا کیا آج کوئی آبلۂ دل اپنا

عقل نے وادیٔ الفت میں ہمیں چھوڑ دیا
کوئی جز دل نہ ہوا رہرو منزل اپنا

کیوں نہ ممنون ہوں ہم ان کی نظر کے ضامن
دل ہوا ہے انھیں تیروں کے سبب دل اپنا

--

برق رخشاں دیکھئے خورشیدِ محشر دیکھئے
جلوۂ حسنِ نظارہ سوز کیونکر دیکھئے

حسن کی اپنے خدائی آج چل کر دیکھئے
ایک اک نقش قدم پر سیکڑوں سر دیکھئے

گر کسی دن اضطرابِ قلب مضطر دیکھئے
رات دن ہلتے ہوئے دیوار اور در دیکھئے

دل بتوں کے نرم کرتی ہے ہماری آہِ سرد
فرطِ سردی سے پگھلتا ہے یہ پتھر دیکھئے

آپ تو دیکھا کریں اور ہم نہ دیکھیں آپ کو
عدل اپنا آپ ہی اے بندہ پرور دیکھئے

حسن فانی کی فریب افزائیاں گر جانچئے
ہر ورق میں گل کے پنہاں ایک دفتر دیکھئے

سخت جانی سے ہماری پڑ گیا ہے معرکہ
ٹوٹتے قاتل کے اب خنجر پہ خنجر دیکھئے

ہے دکھاتا دمبدم فصل خزاں میں صحنِ باغ
رحم کرتا ہے یہ صیّادِ ستمگر دیکھئے

آپ کے بیمار کی نکلی ہے کس مشکل سے جان
ضعف اس کا دیکھئے اور چین بستر دیکھئے

وصل میں جو ان کے ہاتھوں سے ملا تھا جام مے
آنسوؤں سے آج وہ لبریز ساغر دیکھئے

اک مرض سا ہو گیا ہے انتظارِ یار بھی
دن میں سو سو بار پھر کر جانبِ در دیکھئے

دل کی میری اب خبر لیجیے جوانی آ گئی
ہوش خالق نے دیا ہے اپنا اب گھر دیکھئے

سامنے بلبل کے چھیڑا تھا نسیمِ صبح نے
بوئے غنچہ ہو گئی جامہ سے باہر دیکھئے

زانوؤں پر آئینہ رکھتا ہے وہ خورشید رو
بعدِ مردن اوجِ اقبالِ سکندر دیکھئے

ہے مزہ اس دم جو چہرے سے الٹ دیجے نقاب
اک قیامت دوسری ما بینِ محشر دیکھئے

جانبِ صحرا اکیلا جا رہا ہوں میں حضور
ساتھ ہو جائے جو آئینہ اٹھا کر دیکھئے

ایک دن محشر کا اور یہ عمر بھر کی سرگذشت
ختم ہو کس طرح میرے غم کا دفتر دیکھئے

دل ہوا ویران ضامن حسرتیں سب مر گئیں
ہائے کن آنکھوں سے خالی یہ بھرا گھر دیکھئے

اس کا کیا ذکر ہے جو بات ہو تاثیر کے ساتھ
چونک پڑتے ہیں وہ ہر نالہ شبگیر کے ساتھ

وہ بھی سرگرم ستم ہیں فلک پیر کے ساتھ
آہ اک اب تو کیا چاہیے تاثیر کے ساتھ

ناوک ناز ذرا کھینچ سمجھ کر بے درد
دل نہ سینے سے نکل آئے کہیں تیر کے ساتھ

دل وحشی ہے ترے تیر نظر کا مشتاق
یہ وہ نخچیر ہے الفت ہے جسے تیر کے ساتھ

وہ مسیحا جو پڑھے آکے جنازے کی نماز
جان آئے تنِ بے روح میں تکبیر کے ساتھ

صبحِ وصلت ہے اذان آج موذن ہی کی گناہ
جانِ عاشق کی نکل جائے گی تکبیر کے ساتھ

ڈھونڈنے غیر کے گھر جاتا ہے اے دل اس کو
تیری غیرت بھی گئی آہ کی تاثیر کے ساتھ

پھر بیاباں ہوئے آباد بہار آپہونچی
زور ہونے لگے دیوانوں کے زنجیر کے ساتھ

حسن کی دیکھ ترقّی کہ نہیں ملتی ہے
کل کی تصویر تری آج کی تصویر کے ساتھ

وصل قسمت میں نہیں سر کو نہ پھوڑ لے ضامنؔ
مفت کیوں مرد خدا لڑتا ہے تقدیر کے ساتھ

وہ مہرباں نہیں گر میرے حال پر نہ سہی
ستم تو کرتے ہیں گو لطف کی نظر نہ سہی

تری نظر سا نہیں آہ میں اثر نہ سہی
تجھے تو چین نہیں سب پہ کارگر نہ سہی

نہیں ہیں نالے مرے ان پہ کارگر نہ سہی
صدائے درد تو ہے گو نہ ہو اثر نہ سہی

زبان پہ اپنے ہے مغرور واعظِ نا فہم
حضور سرمگیں آنکھوں کی اک نظر نہ سہی

ہمیں جہان سے گذریں ستم ہوں اتنے کاش
جو ان کے دل میں نہیں رحم کا گذر نہ سہی

خبر تو اس کی ملی جس سے بے خبر ہیں لوگ
رہی نہ عشق میں اپنی مجھے خبر نہ سہی

ہمارے نالۂ دل کو تو روک دے کوئی
صبا نہیں ہے جو اپنی پیام بر نہ سہی

نگاہ ناز تو اٹھی ہوا حجاب تو دور
رہے نہ خلق کے سالم دل و جگر نہ سہی

حضور مجھ سے جدا ہو کے رہ نہیں سکتے
کہ دل میں جذب تو ہے آہ میں اثر نہ سہی

بصیرت دل حق بیں کا کیا کریں گے علاج
نہیں حجاب شکن ظاہری نظر نہ سہی

برستے اس سے ہیں اے ابر لعل اور یاقوت
تگرگ بار نہیں میری چشمِ تر نہ سہی

خدنگِ ناز سے زخمی نہ ہو یہ مشکل ہے
شریک دل کا نہیں درد میں جگر نہ سہی

رکیں گے قتل سے اے نازنیں بھلا خط شوق
یہی نہ خلق میں دو چار نامہ بر نہ سہی

نکل کے کعبے سے اے شیخ بت دلوں میں رہے
ہزاروں گھر پہ یہ قابض ہیں ایک گھر نہ سہی

بہار بھر تو نہیں دخل کوئی کر سکتا
چمن حسینوں کا صحرا ہمارا گھر نہ سہی

نہیں وہ رکھتے ہیں پہلو میں اپنے اے ضامنؔ
دل آئینے سے تو شفاف ہے مگر نہ سہی

--

یہ سب ہیں جسم فانی جو نہاں ہونگے عیاں ہوکر
وہی ہے جانِ عالم کی عیاں جو ہے نہاں ہوکر

ستائے گی ترے آنکھوں کی گردش آسماں ہوکر
نگاہیں خرمنِ دل پر گریں گی بجلیاں ہوکر

رقیبوں کو جو راحت نو فلک دیں مہرباں ہوکر
ستائے میرا دودِ آہ دسواں آسماں ہوکر

تماشا حشر میں دکھلائے گا دستِ جنوں میرا
اڑے گا دیکھنا دامانِ محشر دھجیاں ہوکر

زباں رکھتا ہوں میں اور حالت دل کہہ نہیں سکتا
بتا دی شمع نے بھی دل کی سوزش بے زباں ہو کر

نہ نکلے تیغ قاتل سینۂ مجروح سے یا رب
یہ رہ جائے وہاں زخم بسمل میں زباں ہو کر

یہی اک آہ جو نکلی ہے منھ سے مرنے والے کے
رلائے گی زمانے بھر کو غم کی داستاں ہو کر

وہی جور و ستم جس کو نہ بچپن میں سمجھتے تھے
سکھائے آسمانِ پیر کو تم نے جواں ہو کر

تعجب ہے رہیں دل میں ہمارے حسرت و ارماں
تم اپنے گھر پہ قبضہ غیر کا دیکھو جواں ہو کر

جلاتی مے ہے بن کر آفتاب ایاہ فرقت میں
ستاتی ہے مجھے ساغر کی گردش آسماں ہو کر

حساب آخرت کا خوف بھی جاتا رہے اے جاں
کرو تم شغل مے نوشی ہمارے میہماں ہو کر

بلائے جاں ہے اس دارِ محن کی قدردانی بھی
اسیری کے ستم سہتی ہے بلبل خوش بیاں ہو کر

الجھ جاؤ گے تم چلنے میں گیسو کی درازی سے
یہی زنجیریں پاؤں میں پڑیں گی بیڑیاں ہو کر

اسی سے خود کو بھی دیکھا نہ دیکھا خود مگر اس کو
رہا مثل نظر آنکھوں میں نظروں سے نہاں ہو کر

کریں گے اہلِ عالم میرے ضبطِ عشق کے چرچے
رہے گی میری خاموشی بھی ہمرنگِ فغاں ہو کر

رہیں کافر صنم دل میں خدا کی شان تو دیکھو
بنے بت خانہ یہ خلّاقِ عالم کا مکاں ہو کر

فلک پر ہو گیا جب سے دماغ ان مہ جبینوں کا
ستاتے ہیں غریبوں کو شریکِ آسماں ہو کر

دکھا سکتا نہیں منہ حشر میں لیکن جو تو چاہے
ہو ظاہر روسیاہی میری سجدہ کا نشاں ہو کر

نہ جانے کیا فراقِ یار میں دل پر گذرتی ہے
کہ ہر آواز اب منھ سے نکلتی ہے فغاں ہو کر

دہن اس کے نہیں لیکن سُنائیں سیکڑوں باتیں
زباں میرے ہے لیکن میں رہا ہوں بے زباں ہو کر

جہاں کہتے ہیں جس کو اک ترا آئینہ خانہ ہے
نظر آتا ہے تو ہی مجھ کو میں نکلا جہاں ہو کر

ہوئے مجنوں کے افسانے بنے فرہاد کے قصّے
یہ پھیلے ایک لفظ دل کے معنی داستاں ہو کر

کلیم اللہ محل تھا سوالِ دید ہی ورنہ
وہ کہتے لن ترانی ذرّوں میں عیاں ہو کر

مٹے گا عاشقی کا نام بس خاموش ہو اے دل
یہ شور انگیز نالے ضبطِ غم کا رازداں ہو کر

درِ منزل پہ پہونچا قافلہ احباب کا ضامنؔ
میں پیچھے رہ گیا افسوس گردِ کارواں ہو کر

جوشِ وفا خلل پڑے تاکہ نہ خوابِ یار میں
گریہ دعا کہ اور طول ہو شبِ انتظار میں

کس کی یہ چشمِ منتظر فرش ہے راہِ یار میں
نورِ نظر ہے جلوہ ریز چاروں طرف غبار میں

جبکہ اسی کا دخل ہو گردشِ روزگار میں
رات نہ کیوں گھٹے بڑھے وصل و فراقِ یار میں

حسن کے سیکڑوں بناؤ جلوہ بار بار میں
عشق کی لاکھ زینتیں جامۂ تار تار میں

شیشۂ قلب شیخ میں تھی جو حقیقت نہاں
بن گئی صورتِ مجاز ساغر بادہ خوار میں

منزلت زمین دل عشقِ صنم میں کچھ نہ پوچھ
لاکھوں شہید حسرتیں دفن ہیں اس مزار میں

یادِ مژہ بتا دے کیا یوں ہی رہیں یہ آبلے
خار تو نرم ہو گئے گل کی طرح بہار میں

ہو کے ہر اک جگہ عیاں کیجئے نہ لن ترانیاں
ایسا نہ ہو کہ فرق آئے آپ کے اعتبار میں

میرے لئے ہر ایک فصل باغ جہاں کی ہے خراب
کھوئے خزاں نشاط کو ہوئے جنوں بہار میں

معنیٔ جبر و اختیار عشق میں ہوئے ہیں حل
دل کو ہیں اختیار سب دل نہیں اختیار میں

عالم بیکسی وہی راتوں کی تیرگی وہی
بسکہ تھا خوگرِ فراق چین ملا مزار میں

موت کی کیوں نہ ہو خوشی ایسی کٹے جو زندگی
دیدِ چمن خزاں میں ہو قید رہیں بہار میں

دیکھ کے دل کی قوتیں منتظم ازل نے بھی
بھر دیا کوٹ کوٹ کر سحر نگاہِ یار میں

ضامنؔ روسیاہ نے دیکھا نہ تیرگی کا منھ
داغِ غمِ حسین تھا جلوہ نما مزار میں

ہاں کلیجے سے لگا رکھنے کے یہ قابل بھی ہے
قیس کا دل ہی نہیں لیلیٰ کا یہ محمل بھی ہے

منکرِ خون حشر میں خنجر بھی لیے قاتل بھی ہے
اس پہ یہ آفت طرفدار دل میں انکے دل بھی ہے

آخری منظرہِ الفت میں دل کا دیکھیے
موت بھی سر پر کھڑی ہے سامنے قاتل بھی ہے

بادۂ الفت کا دل پر اور کیا ہوتا اثر
تم سے ہے ہشیار اپنے آپ سے غافل بھی ہے

جانتا ہوں آپ کے چھپنے کے پردے ہیں ہزار
واقف اسرارِ پنہاں عاشقوں کا دل بھی ہے

یہ دلِ ناداں نہیں واقف ابھی اس راز سے
عشق ہی کشتی بھی ہے دریا بھی ہے ساحل بھی ہے

ایک محو شوق کا دیکھو جنوں بالائے طور
دیکھتا ہے ہر جگہ اور دید کا سائل بھی ہے

خواہش دل نے بگاڑا ہے یہ عالم کا نظام
جتنا جو ہشیار ہے اتنا ہی وہ غافل بھی ہے

کر گیا ہے رہ کے دنیا میں نہ جانے کیسے کام
رونے والوں میں شہیدِ ناز کے قاتل بھی ہے

شوق سے کر جمع زر لیکن رہے اتنا خیال
اک خزانہ تیرا منعم کاسۂ سائل بھی ہے

اس کے باعث سے ہوئی غمہائے دنیا سے نجات
محسنوں میں میرے ضامن خنجرِ قاتل بھی ہے

میں رشک سے مر جاتا آنکھ اسکی جو تر ہوتی
خود موت مری مرگ دشمن کی خبر ہوتی

جب وجہ اجل دونوں ہیں فرط غم و شادی
پھر کیوں مری آہ دل ممنون اثر ہوتی

تر ہوتا مرا دامن گر اشک ندامت سے
تر دامنی سب غائب اے دیدۂ تر ہوتی

سن کر مرے وہ نالے روتے نہ تو ہنستے ہی
اے بے اثری کچھ تو ہمرنگ اثر ہوتی

وہ مہر شب وعدہ آتا بھی تو کیا حاصل
نور رخ روشن سے شب ہی کو سحر ہوتی

برق آپ کے جلوے کی اور طور قیامت ہے
اک حشر بپا کرتا دل کو جو خبر ہوتی

ہم دیکھتے اٹھتے ہی آئینۂ رخ اُس کا
ایسی بھی کوئی یارب دنیا میں سحر ہوتی

طفلی کی طرح کٹتی یارب یہ جوانی بھی
آنکھوں میں حسیں پھرتے دل کو نہ خبر ہوتی

— —

یہ ستم ایجادِ رعبِ جلوۂ جانانہ تھا
دور اس کی انجمن میں شمع سے پروانہ تھا

ہر زباں پر یوں تو الفت کا تری افسانہ تھا
آشنا تھا بس وہی اپنے سے جو بیگانہ تھا

بزمِ عالم میں نرالے رنگ لائے حسن و عشق
جس سے پوچھا یاد اس کو اک نیا افسانہ تھا

وہ کہیں گل اور کہیں چاند اور کہیں پر تھا چراغ
ہیں کہیں بلبل کہیں کبک اور کہیں پروانہ تھا

دل کے جانے سے تو آنکھوں میں ہوئی دنیا سیاہ
رات دن جلتا تو تھا لیکن چراغ خانہ تھا

بحر ہستی میں رہا ناکام میں مثلِ صدف
غیر کی قسمت میں میرے منھ کا آب و دانہ تھا

عقل نے ڈالی جو دنیا پر حقیقت کی نظر
بس وہی ہشیار نکلا جو نرا دیوانہ تھا

قیس ناداں تھا نہ سمجھا رازِ ضبطِ عشق کو
خاک جنگل کی اڑانا کام اک طفلانہ تھا۔

جم گیا تھا میکدے میں اس قدر رنگِ وفا
انقلابِ شیشہ سے گردش میں ہر پیمانہ تھا

طور کا قصّہ جو کہتا ہوں ڈرانے کے لئے
دل یہ کہتا ہے کہ یہ سب نازِ معشوقانہ تھا

قتل گہ میں کٹ کے سر جو اس کے قدموں پر گرا
عشق کی طاعت میں ضامن سجدۂ شکرانہ تھا

- -

دعا دوں میں جنوں میں کیوں نہ اپنی چشم گریاں کو
کہ مثل سیل نکلا توڑ کر دیوار زنداں کو

تزلزل ہے زمیں کو اور جنبش عرش یزداں کو
کہ قاتل کھینچتا ہے سینۂ بسمل سے پیکاں کو

ہے اتنا دخل قدرت میں خدا کی عشق جاناں کو
بنا دے منبع دریائے خوں یہ چشم گریاں کو

خدا قائم رکھے حسنِ جنوں افزائے جاناں کو
بھلا آباد کر سکتا تھا کوئی یوں بیاباں کو

تڑپتے تیرے وحشی یاد کر کے گر بیاباں کو
گرا دیتا زمیں کا زلزلہ دیوارِ زنداں کو

دکھایا ہے تری زلفوں نے دل کو جلوۂ عارض
پڑھایا ہے سبق قرآں کا ہندو نے مسلماں کو

گلِ رخسار کے سودائی نے خونِ کفِ پا سے
بنایا تختۂ گلزار دامانِ بیاباں کو

کشش دل کی اور ان کا زورِ بازو کھل ہی جائے گا
نکالیں تو وہ آ کر سینۂ بسمل سے پیکاں کو

جو ہر دم تفرقہ اپنوں میں رہنا نامناسب تھا
گلے ملوا دیا دستِ جنوں نے جیب و داماں کو

نہ اندازہ کیا جوشِ جنوں کا تونے اے ناصح
سلا کر زور گو دڑ کر دیا میرے گریباں کا

اثر اپنا دکھایا نالۂ شبگیرِ بلبل نے
سحر ہوتے ہی گل نے چاک کر ڈالا گریباں کو

دکھائی بگ دہری سائنس کے بھی شہسواروں نے
نہ روکا ایک نے بھی توسنِ عمر گریزاں کو

ہوا ہے مطمئن دل تیری زلفوں میں جگہ پا کر
پریشانی سے ہوئی جمعیت خاطر پریشاں کو

زمانے میں بھروسا دستگیروں پر بھی بیجا ہے
عصا نے خود ہی ظاہر کر دیا مرگِ سلیماں کو

گریزاں جسم سے ہو روح ضامن کیوں نہ پیری میں
خزاں آتے ہی بلبل چھوڑ دیتی ہے گلستاں کو

شہیدوں کو بھی تو زندۂ جاوید کرتی ہے
میں اے قاتل مسیحا کیوں نہ سمجھوں تیغ برّاں کو

شگوں ڈھونڈا ہے وحشت میں نرالا میرے وحشی نے
کیا ہے چاک قبرِ قیس پر اپنے گریباں کو

نقاب رخ سے ظاہر ان کے رخساروں کا جلوہ ہے
گلوں کے رنگ نے توڑا ہے دیوارِ گلستاں کو

چمن میں آتش گل سینچنے سے اور بھی بھڑکی
بنایا رشک آتش خانہ نے گلستاں کو

شبِ فرقت بسر کی ان کے زلفوں کے تصوّر نے
خیالِ خنجر ابرو نے کاٹا اور ہجراں کو

اٹھائے گر نقاب اپنے رخِ روشن سے وہ گلرو
پتنگے شمع کو اور بلبلیں چھوڑیں گلستاں کو

ترقّی کی حسینوں نے بھی وضعِ عاشقانہ سے
بنے ہیں پھول غنچے پھاڑ کر اپنے گریباں کو

جنوں خیزی تمھارے حسن نے کی آسماں پہ بھی
نہ ثابت رکھ سکا دو دن ہلال اپنے گریباں کو

چھپانے میں ہوا ہے عشق کے دل مجھ سے بیگانہ
جگہ دوں کس جگہ یارب کسی کے رازِ پنہاں کو

گریباں گیر ہے کوئی نہ دامن گیر ہے کوئی
رہے کیا خوف محشر میں کسی کی تیغ عریاں کو

یہی ضامن جو لے توفیقی ارباب ملّت ہے
یقیں ہے دفن کرنے آئیں گے ہندو مسلماں کو

بچے تعقید سے اور حشو سے کیونکر کوئی ضامن
ردیفوں میں جو غزلوں کی یوں ہی رکھیں سخنداں کو"

— —

خط نے مٹایا حسنِ رُخِ لاجواب کا
کافر کو پاس کیا ہو خدا کی کتاب کا

پیری میں ذکر کیا کریں عہدِ شباب کا*
افسانہ کیا سنائیں فراموش خواب کا

موسیٰ کریں سوال گرے برق طور پر
انداز دیکھیے گا کسی کے جواب کا

پھیلے جو اپنے سکۂ داغِ جگر کی ضو
کھوٹا چلن ہوا شرفِ آفتاب کا

* پیری میں یاد آئے گا موسم شباب کا

آئے کبھی جو ہجر بت گلعذار میں
طوفان غم میں غرق سفینہ ہو خواب کا

الٹی نقاب باغ میں اس مہروش نے کیا؟
ہر برگ گل بنا ہے ورق آفتاب کا

زاہد نے محتسب کو لڑایا ہے یار نے
رکھ رکھ کے اپنے ہاتھ پہ ساغر شراب کا

اک تو یوں ہی تھا آفت دوراں تمھارا حُسن
پھر اس پہ ستم کہ زمانہ شباب کا

لائی ہے کیا صبا دل صد چاک کی خبر
تھرا رہا ہے باغ میں تختہ گلاب کا

پیتے ہیں وہ شراب بھرو نقشِ حبُب کا تم
یہی ہے دن شرفِ آفتاب کا

ستمگر اک ترے عاشق کی جان جانے سے
وفا کا نام بھی گم ہو گیا زمانے سے

کرے گا چین تجھے بے خبر زمانے سے
کہ منتفی ہوں سب احساس نیند آنے سے

جہاں میں اس لئے ڈرتا ہوں موت آنے سے
کہ چھوٹ جاؤں گا اس بُت کے آستانے سے

الٰہی موت کا بھی کتنا خواب شیریں تھا
اٹھے ہیں حشر میں ہم صور کے جگانے سے

بڑھا دی زردی رخ ضبط راز الفت نے
محبّت اور نمایاں ہوئی چھپانے سے

زمیں نے پاؤں ہیں لے جانے والوں کے پکڑے
یہ کس کی لاش اٹھی ان کے آستانے سے

نہ باغباں کا یہاں خوف ہے نہ برق کا ڈر
قفس میں چین زیادہ ہے آشیانے سے

وفور رنج سے پانی کی طرح بہ جائے
اٹھاؤں سنگ بھی گر تیرے آستانے سے

وفا کی قدر زمانے کو ہو گئی معلوم
مری لحد پہ ترے اشکبار آنے سے

خیال سے ہے فزوں بارگاہ حسن کا اوج
ہے بامِ عرش بھی پست اسکے آستانے سے

ہوئی ہے عشق میں یہ حالت دلِ محزوں
ہنسی میں روئے یہ اور خوش رہے ستانے سے

خیالِ ترک محبّت سے دل میں داغ پڑے
یہ نقش وہ ہے اوبھر آیا جو مٹانے سے

ہوئی خیال میں وسعت کھے جو مضامین شعر
یہ وہ خزانہ ہے جو بڑھ گیا لٹانے سے

امتیاز نیک و بد تو آپ کا انعام تھا
عقل کا مغلوب کر دینا یہ کس کا کام تھا

در پہ جانا ان کے دل کا شغل صبح و شام تھا
اور حیلے سوچنا میرا دماغی کام تھا

حسنِ جاناں کی خدائی کا یہ شہرہ عام تھا
سجدۂ درِ شیخ کا بھی روز پہلا کام تھا

بہر دیدِ یار یہ سب اژدہام عام تھا
ورنہ آخر حشر میں دیوانوں کا کیا کام تھا

کوہکن نے کوہ کاٹا ہم نے کاٹی غم کی رات
بے ریا اک کام تھا اور ایک بہر نام تھا

پوچھتے کیا ہو حقیقت ہم سے دردِ عشق کی
ایسی اک تکلیف تھی جس پر فدا آرام تھا

بہر قربِ حق ہوا تھا نخستۂ میت بلند
وحی تھی معراج کی یا موت کا پیغام تھا

ہوش آتے ہی کسی کے حسن پر مرنے لگے
وہ مرا آغاز تھا عالم کا جو انجام تھا

دل کو توڑا اے فلک تو نے اک آفت آگئی
ہائے ظالم اس نگینہ پر کسی کا نام تھا

اپنے جامہ سے ہوئی باہر خوشی میں روح بھی
وصل کا وعدہ تھا یہ یا موت کا پیغام تھا

دارِ غم میں آنے سے گریاں تھا جب میں خوش تھے سب
روئے ہیں احباب اس دم جب مجھے آرام تھا

شوق کی بیتابیاں اے اہلِ غیرت کیا بتائیں
باعثِ دیدارِ جاناں غیر کا پیغام تھا

زندگی کہتے ہیں جس کو روح کی تکلیف تھی
موت کہتے ہیں جسے وہ جسم کا آرام تھا

مرنے والا نزع میں رٹتا تھا اک کلمہ حضور
صاف تو کھلتا نہ تھا لیکن کسی کا نام تھا

دیکھ کر میخانہ خالی دل بھر آیا خود بخود
جو نہ شیشہ کا ہوا محتاج یہ وہ جام تھا

جسم خاکی میر زندان قفس میں تھا اسیر
طائرِ جاں کے لئے تارِ نفس کا دام تھا

کس قیامت کی لڑائی تھی حیات و موت میں
سامنے وہ تھے کھڑے اور نزع کا ہنگام تھا

جس میں عمریں قاصدوں کی صرف ضامن ہو گئیں
وہ دلِ پر شوق کا اک مختصر پیغام تھا

—

غمِ فراق ہے تشریحِ دل کے آنے کی
سرورِ وصل ہے تمہید جان جانے کی

ہے چارہ گر کو خوشی میرے موت آنے کی
وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

وجود آپ ہی تیرا فنا کا شاہد ہے
کہ ہیں جہان میں آنا دلیل جانے کی

دہن میں آنے لگی بو ہر ایک غنچہ کی
چمن میں نقل جو کی تیرے مسکرانے کی

سرِ نیاز جہاں پر کہ خود بخود جھک جائے
وہی زمین ہے بس اس کے آستانے کی

وفورِ ضعف سے ہم خود تو اٹھ نہیں سکتے
مگر ہے تاب ابھی کوہِ غم اُٹھانے کی

عنایتیں ہیں ہوا کی کرم ہے بجلی کا
قفس میں دیکھتا ہوں خاک آشیانے کی

ملک پہ فرض تھا سجدہ جناب آدم کا
شریکِ جسم تھی خاک ان کے آستانے کی

طبیعت آئی گئے ہوش کس طرح یارب
خبر نہ آنے کی ان کے ہوئی نہ جانے کی

جنوں بانٹ دے جاگیریں کوہ و صحرا کی
ہمیں زمیں ہے بہت ان کے آستانے کی

جہاں میں اور بھی جرموں کی ہیں سزائیں سخت
مگر بُری ہے سزا ان سے دل لگانے کی

رہے گا عشق میں باقی نہ جسم و روح کا ربط
کہ دل کا آنا ہے تقریب جان جانے کی

لٹاتے جاؤ خزانہ خیال کا ضامنؔ
یہ بہترین حفاظت ہے اس خزانے کی

یا تھا جوابِ عرش بریں آستانِ دل
یا کوئی بت میں دیکھیے اب جا کے شانِ دل

اک بے نشاں نے رہ کے بڑھائی یہ شانِ دل
رتبہ میں لامکاں ہے ہمارا مکانِ دل

خواب اجل کے ہیں خلل انداز بس یہی
رفتارِ یار صورِ قیامت فغانِ دل

روشن کیا ہے تیرگیٔ غم نے اور بھی
ہر داغ بن گیا ہے چراغِ مکانِ دل

سینہ میں بھی سمائیں نہ اتنی ہیں حسرتیں
اپنی زمین سے بھی بڑا ہے مکانِ دل

دردِ فراق سے ہمہ تن بے قرار ہوں
ہر عضو پر ہے ہجر میں مجھ کو گمانِ دل

ہو شمع یا کہ ابر جو روتا نظر پڑے
سمجھو کہ سن لی اس نے کہیں داستانِ دل

بیمار آنکھ کو ہوا رونے کا بھی مرض
محجوب ہوں سُنا کے انھیں داستانِ دل

ناکامیوں کا اپنے سبب خود وجود تھا
گم ہو کے راہِ شوق میں پایا نشانِ دل

آئینہ پہلے ان کا تھا اب شانہ ہوگیا
صد چاک ہو کے گھٹ گئی کیا ایسی شان دل

ٹھنڈا ہر اک کو کرتا ہے ضامنؔ جہاں میں یہ
اُلٹا اثر دکھاتا ہے سوزِ نہاں دل

ایک دن اپنی محفل میں تم ناصح کو بھی آنے دو
جو اس نے سمجھایا ہے وہ ہم کو بھی سمجھانے دو

جلوۂ رُخ للہ دکھاؤ غش آئے گا آنے دو
آتشِ غم سے دل نہ جلے اس تجلی سے جل جانے دو

نقش و نگار ہستی سے جی تو ان کا اُکتانے دو
بن جائیں گے دونوں عالم دم بھر میں ویرانے دو

پہلے تجھ کو تو سمجھیں ہم تب تو اپنے کو جانیں
جب تک کوئی ایک نہ جانے کیسے وہ پہچانے دو

دل کے دو ٹکڑے کر ڈالے پھر ان کو صد چاک کیا
کہتے ہیں اک آئینے کے ہم نے بنائے شانے دو

عالم کے دفتر میں ہیں گو لاکھوں قصے ہوش ربا
جان و دل اس کے بس حُسن و عشق کے ہیں افسانے دو

دیکھ کے بس ساقی کو کیونکر بے پئے مست نہ ہو جائیں
آنکھیں گردش کرتی ہیں یا چلتے ہیں پیمانے دو

دل جو اُمڈا ہجر صنم میں آنکھیں دونوں بھر آئیں
ایک ہی ساتھ اک شیشے سے لبریز ہوئے پیمانے دو

قلبِ عدو زخمی ہے اُدھر اور اشک سے دل بسمل ہے اِدھر
کیسے اڑے اک تیر نظر سے دو سمتوں میں نشانے دو

دُھن میں اس کی لگ جاؤ، ناقوس و اذاں کا جھگڑا کیا
دنیا کے سر مستوں کو تم اپنی اپنی گانے دو

دل لینے کی ضد ہے ان کو لیں گے وہ ہر صورت میں
ضامنؔ ان سے جھگڑا کیا دور کرو لے جانے دو

— —

یہ عاجز فصل گل میں ہم ہوئے صیاد پرفن سے
نکل سکتے نہیں ہیں شب کو اپنے نشیمن سے

نہیں اٹھتا جو بار تیر دستِ ناوک افگن سے
نزاکت کہہ رہی ہے کام لیجے چشمِ پرفن سے

دکھائے گی تماشہ حشر میں سفاکیِ قاتل
ہزاروں ہاتھ الجھے ہوں گے اک اک تار دامن سے

بتائیں عشق گل کی بیخودی صیاد کیا تجھ سے
چمن پروردہ ہوکر ہم نہیں واقف نشیمن سے

کثافت ہو گئی رشک لطافت واہ ری قدرت
خجل حوریں ہیں تصویر گل کے رنگ و روغن سے

فروغ رخ کے ساتھ ہی ساتھ زلفیں بھی بڑھیں انکی
درازی رات میں آئی عروج مہر روشن سے

بڑھا جوش جنوں پھر فصل گل مانند عید آئی
گلے ملنے لگے چاک گریباں چاک دامن سے

دم تقریر اس گلرو کے منھ سے پھول جھڑتے ہیں
کلامِ یار سن کر سیر ہوں میں سیر گلشن سے

ہرا ہوتا ہے آہ گرم سے داغ جگر میرا
نیا یہ پھول نکلا ہے زمین صحن گلشن سے

ہوا ہے سوختہ جاں دفن آخر کون سا یارب
نکلتے آگ پتلے ہیں اب تک خاک گلشن سے

جلانا مارنا ان کی نگاہوں کا کرشمہ ہے
ہوئے اعجاز اور جادو بھی حیراں چشم پرفن سے

مرے تلووں پہ تھی یہ بھی عنایت خار صحرا کی
نہیں تو دست کو نسبت بھلا کیا صحن گلشن سے

نہ جانے یہ غم فرہاد میں روئے ہیں کس درجہ
کہ چشمے آج تک جاری ہیں کہسار و نکے دامن سے

حق و باطل کے جلووں کا مرا دل خود ہی عارف ہے
غرض ہے شیخ سے مجھ کو نہ مطلب ہے برہمن سے

ہے بہتر ہم صفیر و اس سے تو بے خانماں رہنا
جھکی جاتی ہیں شاخیں پھول کی بارِ نشیمن سے

چُنے جب چار تنکے بجلیاں گرنے لگیں پیہم
فلک نے عمر بھر محروم ہی رکھا نشیمن سے

خدا جانے کہ دنیا ہے مقام غیر کس درجہ
ملی راحت نہ ضامن دوست سے ہم کو نہ دشمن سے

--

ظلم کرنے سے غضب میں تیری جاں ہو جائے گی
دل دکھے گا با اثر میری فغاں ہو جائے گی

روح قالب سے عدم کو بس رواں ہو جائے گی
ایک ساعت میں کہاں سے یہ کہاں ہو جائے گی

ضبط کی مشہور اے دل داستاں ہو جائے گی
میری خاموشی زمانے کی زباں ہو جائے گی

آپ سے دو چار گر ظالم حسیں پیدا ہوئے
یہ زمیں بدنام مثلِ آسماں ہو جائے گی

سختِ جاں میں ہوں زیادہ یا کہ تم ہو سخت دل
آزمائش اس کی روزِ امتحاں ہو جائے گی

دورِ عالم کا بدل دے گا ترا عہدِ شباب
آسمانِ پیر کی قسمت جواں ہو جائے گی

نام ہے اس کا محبت جو کہ دل ہی میں رہے
گر زباں پر آگئی تو داستاں ہو جائے گی

کیا خبر کتھی عشق ہے اس درجہ مقبولِ زماں
بات جو نکلے گی منھ سے داستاں ہو جائے گی

آپ کے سے سخت دل پر گر اثر یہ کر گئی
پھر ہماری داستاں بھی، داستاں ہو جائے گی

چاند سے ماتھے پہ گر افشاں چنی تو نے صنم
دیکھ لینا یہ زمیں بھی آسماں ہو جائے گی

بیخودی ہوگی ہدی خوانِ معرفت کی راہ میں
عقل خود تھک کے گردِ کارواں ہو جائے گی

منھ سے گر نکلیں تری فرقت میں آہیں با اثر
آگ جو دل میں لگی ہے وہ دھواں ہو جائے گی

ہوگا قائل سرمگیں آنکھوں کا تیرے اے صنم
بند جب محفل میں واعظ کی زباں ہو جائے گی

جلوۂ خالق کا ہے ضامن محبت میں اثر
لاکھ پردوں میں چھپاؤ تم عیاں ہو جائے گی

جو اُس کے نور سے روشن یہ قلب ناتواں کر لیں
زمیں کو آسماں کر لیں مکاں کو لامکاں کر لیں

سما سکتا نہیں ہے سینکڑوں عالم میں یہ جلوہ
اسے ہم اپنے دل کے ایک گوشہ میں نہاں کر لیں

یہ رفعت بخش ہیں دست جنوں بھی عشق کامل میں
اڑائیں خاک تو پیدا زمیں سے آسماں کر لیں

کیا کرتا ہوں اکثر بیخودی میں اُن سے میں باتیں
مرتب اہلِ دل کا اک لغت اہلِ زباں کر لیں

نکالیں حوصلہ میں سر جھکاتا ہوں مٹے جھگڑا
میں اُن کا امتحاں کر لوں وہ میرا امتحاں کر لیں

دکھا کے واعظوں کو رخ تماشا آج دکھلا دو
زباں کھل جائے میری بند وہ اپنی زباں کر لیں

عذاب آخرت سے شیخ صاحب بھی نہ گھبرائیں
اگر اپنے کو وہ بھی خوگرِ ظلم بتاں کر لیں

ہے آساں ذبح کرنا دیکھنا بسمل کا مشکل ہے
وہ اپنے دل کی قوت کا تو پہلے امتحاں کر لیں

قیامت خیز چالیں گر چلیں گورِ غریباں میں
تو پھر شہر خموشاں کو بھی وہ دارِ فغاں کر لیں

اجازت باغباں کی ہو تو شاخِ گل پہ اے بلبل
مرتّب چار تنکوں سے ہم اپنا آشیاں کر لیں

— —

کب طریقِ یار کا سالک ہمارا دل نہ تھا
خضرِ راہِ عشق کب سنگِ رہِ منزل نہ تھا

بجھ گئیں سب حسرتیں دل کی پسِ عہدِ شباب
شمعِ کشتہ تھا مرے سینہ میں داغِ دل نہ تھا

حال سے مجروحوں کے واقف نہ تھے ابروئے یار
آشنا زخمِ جگر سے خنجرِ قاتل نہ تھا

دیکھ کر مجھ کو تڑپتا آپ کیوں گھبرا گئے
قابلِ تفریح شاید رقصِ مرغِ دل نہ تھا

میں رہا گلزارِ عالم میں تعلق سے بری
سبزۂ بیگانہ تھا خارِ رہِ منزل نہ تھا

جل کے آخر بجھ گیا کیا خاک دیتا دل کا ساتھ
اک چراغِ خانہ مفلس تھا داغ دل نہ تھا

آکے بالیں پر چکا دیتے وہ جھگڑا وقت نزع
زندگی و موت کا کچھ فیصلہ مشکل نہ تھا

تھی بلائے ناگہانی یا نگاہِ نازِ یار
آنکھ ملتی تھی کہ پہلو میں ہمارے دل نہ تھا

کیوں شبِ فرقت میں لیتا بارِ احساں غیر کا
کیا رفیق اپنا بغل پروردہ دردِ دل نہ تھا

– –

آنکھیں وہی ہیں جن کو تری جستجو رہے
دل ہے وہ دل کہ جس میں تری آرزو رہے

سمجھیں شب فراق کو بھی ہم شبِ وصال
تیرا خیال دل میں جو اے خوبرو رہے

پیشِ نظر تھا کعبہ رُخ اس کا وقت نزع
ہنگامِ مرگ شکر ہے ہم قبلہ رُو رہے

شمع حیات ساتھ لیے ساری زندگی
گردانِ تلاش موت میں ہم کو بکو رہے

بدتر ہے سنگ سے نہ ہو جس میں ترا خیال
دل میں اگر رہے تو تری آرزو رہے

دم سے مرے تھا پیر مغاں لطف مے کشی
پھر مے کدہ میں جام رہے نہ سبو رہے

--

گر اٹھ گئی نگاہ تو دُنیا تمام ہے
ان کا نہ دیکھنا نظرِ لطف عام ہے

تنہائی ہے وہ مست جوانی ہے شام ہے
اب دل کا اے زبان ترے ہاتھ کام ہے

سُن گفتگوئے یار کو واعظ ادب کے ساتھ
جس کا دہن نہیں ہے یہ اس کا کلام ہے

مر مر کے جی رہے ہیں تپِ ہجر کے مریض
نارِ جحیم آتشِ فرقت کا نام ہے

رہتی ہے قائم اپنی ہی حالت پہ دن کو شمع
کیا انجمن سے کوچ ہی اس کا مقام ہے؟

غافل ہیں جہاں سے زمانے سے بے خبر
کہتے ہیں جس کو عشق وہ مرنے کا نام ہے

گردش فلک کی میرے تصوّر نے دی بدل
ہجراں کی اب تو صبح بھی وصلت کی شام ہے

آہیں نکل رہی ہیں دلِ دردمند سے
معلوم یہ ہوا کہ ابھی عود خام ہے

حیرت ہے رنگ چرخ ستمگار دیکھ کر
زہر آب سے بھرا ہوا معکوس جام ہے

شیشہ ہے دل جب اشکوں سے بھر دے یہ جامِ چشم
جس وقت غم سے آپ یہ بھر جائے جام ہے

ہمدرد ہمنشیں کے ہیں یاران مے کدہ
شیشے کے انقلاب سے گردش میں جام ہے

پہلو میں دل مرا تری زُلفوں کا ہے اسیر
یہ مرغ آشیانے میں بھی زیرِ دام ہے

موقوف صبح حشر پہ ضامنؔ ہے دیدیار
مرکر لحد میں بھی وہی فرقت کی شام ہے

--

ہر دوست اپنا آنکھ چرا کر نکل گیا
تم کیا بدل گئے، کہ زمانہ بدل گیا

خود مجھ کو کر دیا مرے دستِ جنوں نے تنگ
دامن اگر سیا تو گریباں نکل گیا

بدنامِ شوق دل کو کیا تم نے اے کلیم
بس ایک غش میں دید کا ارماں نکل گیا

رکھا قدم جو میں نے تو جادہ کے نام سے
کتنی جگہ سے دامنِ صحرا نکل گیا

شوقِ نگاہِ یار میں مر مر کے جان دی
محشر پہ پھر بھی وعدۂ دیدار ٹل گیا

سُرمے کی باڑھ تیغِ نظر پر جو رکھ چکے
آئینہ ان کے سامنے سے ڈر کے ٹل گیا

آئینے کی بنی ہے زمینِ دیارِ حُسن
انسان کیا ہے پاؤں مَلَک کا پھسل گیا

محشر میں ختم قصۂ غم کی امید کیا
اک اشک ہی کے ذکر میں دن جبکہ ڈھل گیا

ہم سے وفا نہ چھوٹی نہ اُن سے جفا کی خو
ہم وہ نہ بدلے گو کہ زمانہ بدل گیا

دیکھو کہ دوپہر کو ہوئی صبح آشکار
غصہ میں رنگ عارض روشن بدل گیا

اے شمع سچ بتا یہ عداوت ہے یا کہ عشق
تیرا فروغ دیکھ کے پروانہ جل گیا

لے لیں وہ دل مرا یہی میری مراد تھی
دل کیا نکل گیا مرا ارمان نکل گیا

موسم میں گل کے آتشِ گل ہے سلگ رہی
اک روز دیکھ لینا کہ یہ باغ جل گیا

لکھنے لگا جو آج میں ضامن گداز دل
کاغذ تمام اشک کے بہنے سے گل گیا

سب جھگڑے اور بکھیڑے سے دنیا کے الگ وہ رہتے ہیں
عالم میں ہیں ہشیار وہی دیوانے جن کو کہتے ہیں

افسانۂ دل کے کہنے میں اس درجہ بے خود رہتے ہیں
کہنے کو کہتے ہیں لیکن معلوم نہیں کیا کہتے ہیں

مدّت میں دیدۂ گریاں نے بدلا بھی رنگ تو کیا بدلا
جب مینہہ اشکوں کا برستا تھا اب خون کے دریا بہتے ہیں

ہوتا ہے رونا بند اس کا خاموش ہو جب شمعِ محفل
ہم جس دم چپ ہو جاتے ہیں تو اور آنسو بہتے ہیں

اے شیخ جی دیکھ کے اس بت کو اللہ ہی یاد آجاتا ہے
اب تم سے کیا بتلائیں ہم کچھ لوگ خدا بھی کہتے ہیں

خاموش ہیں سب قائل ہے گریاں میری غم کی محفل میں
جو واقف ہیں اس راز سے وہ کچھ چپکے چپکے کہتے ہیں

حسرت کی نظر سے ظاہر ان پر کرتے ہیں دل کی حالت
سب گویائی میں کہتے ہیں ہم خاموشی میں کہتے ہیں

حالات شہیدان الفت دنیا سے نرالے ہیں اے دل
جب تک جیتے ہیں مرتے ہیں مرنے پہ زندہ رہتے ہیں

کیوں واعظ روز ڈراتا ہے ہم کو ہنگامۂ محشر سے
جس بت کی چال قیامت ہے کوچہ میں اسکے رہتے ہیں

اک موسیٰ تھے بیہوش ہوئے جو بر سرِ طور اک جلوے سے
اک ہم ہیں جس کے پیشِ نظر جلوے ہی جلوے رہتے ہیں

عاشق کی وضع زمانے میں معشوقوں کو بھی بھائی ہے
گل چاک گریباں رہتے ہیں شمعوں کے آنسو بہتے ہیں

دنیا کے حسینوں کو ضامنؔ کچھ اُنس ہوا اپنے دشمن سے
اس دل میں یہ بھی رہتے ہیں جس دل میں ارماں رہتے ہیں

نالے جو با اثر تھے اس سے مرا زیاں تھا
بڑھتی تھی ہجر کی شب ساکن جو آسماں تھا

تھرا رہی تھی دنیا چکر میں آسماں تھا
یہ کس کے قلب مضطر کا آج امتحاں تھا

جو چاہو کہہ لو دل میں اب تاب ہی نہیں ہے
جب مائلِ فغاں تھا خاموش اک جہاں تھا

آرام عاشقوں کو پھر کس طرح سے ملتا
جب ہر زمیں کے اوپر دنیا میں آسماں تھا

یہ راز روزِ محشر ہم پر کھُلا کہ داور
اپنا ہر اک نفس پر دنیا میں امتحاں تھا

کیا تیغ عذر کرتی کیا زخم شکوہ کرتے
یہ بے دہن زباں تھی وہ بے زباں دہاں تھا

کن دقّتوں سے سنبھلا مقتل سے لے کے خنجر
یہ میرا امتحاں تھا یا ان کا امتحاں تھا

محفل میں اُن کی تو ہی اے شمع چُپ نہیں تھی
منھ میں زبان رکھ کر میں بھی تو بے زباں تھا

حسنِ صنم کا قصّہ دلچسپ سب تھا لیکن
ذکرِ ادائے دلکش بس جان داستاں تھا

کیا حد بتائیں ضامنؔ الفت میں دشمنوں کی
ہر ذرّہ اس گلی کا خود ایک آسماں تھا

--

جگر کی سوزشِ پنہاں نہ کرتا میں بیاں کب تک
زباں رکھ کر مثالِ شمع رہتا بے زباں کب تک

ہنسے گا حالِ عاشق پر کوئی غنچہ دہاں کب تک
گریں گی خرمنِ دل پر الٰہی بجلیاں کب تک

رہے گا برسرِ بیداد تو اے آسماں کب تک
دلِ مظلوم صابر ہے مگر ضبطِ فغاں کب تک

نہ ہوں گے حالِ عاشق پر وہ یارب مہرباں کب تک
کرے گا ناز اپنے ظلم پر یہ آسماں کب تک

ہجوم حسرت و ارماں سے عاشق دینگے جاں کب تک
اس آبادی سے ویراں ہوں گی دل کی بستیاں کب تک

فنا ہی پر ہے جب موقوف دیدارِ رخِ جاناں
تو پھر یہ پردۂ ہستی رہے گا درمیاں کب تک

پڑیں گے داغ کب تک دل میں میرے یاس و حرماں سے
دکھائے گی بہار اس باغ کی فصل خزاں کب تک

نظارہ سوز برق حسن ان کی گو تھی اے موسیٰ
مگر رہتے دل حق بیں کی نظروں سے نہاں کب تک

رہا عشاق کو یوں ہی اگر شوق جبیں سائی
نیا ہر روز رکھیں گے وہ سنگِ آستاں کب تک

رہیں گے بے خبر کب تک وہ مجھ سے اے دلِ نالاں
خموشی کا دکھائے گی اثر تیری فغاں کب تک

سمجھ لیں یہ کریں ہر شوق سے بیداد وہ ضامنؔ
دلِ مظلوم صابر ہے مگر ضبطِ فغاں کب تک

--

یہ سچ ہے ایک ناوک ادا میں نہ دل رہے گا نہ غم رہے گا
مگر زبانوں پہ تا قیامت حضور ذکرِ ستم رہے گا

کرے گا زورِ قلم میں قدرت کے غور جس دم کوئی مبصر
تو فردِ عالم کا نقطہ نقطہ گواہ حُسنِ رقم رہے گا

نئے ہیں الفت کے یہ طریقے سمجھ سے باہر ہیں آدمی کے
کہ دل میں بھڑکیں گے جبکہ شعلے تو دامنِ چشم نم رہے گا

نہ اس کو نفرت سے لوگ دیکھیں یہ موت بھی حسبِ کم صبا ہے
ترقیوں پر اسی کے دم سے ہمیشہ ملکِ عدم رہے گا

کسی کے نقشِ قدم کا سجدہ نہ آسماں کو نصیب ہوگا
یہ دیکھ لینا کہ تا قیامت اسی طرح سے یہ خم رہے گا

پھریں گی جس وقت تیری آنکھیں سنائیگی آسماں کی گردش
زمانہ ہو جائے گا موافق جو تیرا مجھ پر کرم رہے گا

یہ کیوں کہا آپ نے مری جاں کہ لکھو احوال شامِ ہجراں
حیات بھر ہاتھ میں ہمارے یہ دیکھ لینا قلم رہے گا

یہ جانتے ہو کہ عشق کیا ہے خمیر اس کا فقط وفا ہے
لہو بھی عاشق کا دیکھ لینا تمھارے ہاتھوں تجم رہے گا

حیات و دانش کے کارواں جب کرینگے عرفاں کی راہ کو طے
تو بیخودی کا ہر ایک منزل پہ سب سے آگے قدم رہے گا

کسی سے دیدار کا ہے وعدہ جئیں گے اس طرح تابہ محشر
کہ اپنے کل جسم سے نکل کر بس ایک آنکھو نہیں دم رہے گا

وہ لے گئے جب سے دل ہمارا بڑھا ہی تب سے غم او رضامن
خیال تھا جب نہ ہو گا دل تو نہ رنج ہو گا نہ غم رہے گا

— —

مدّت ہوئی کہ جان سے ہم ہاتھ دھو چکے ہیں
بحرِ الم میں کشتی اپنی ڈبو چکے ہیں

فرقت میں اک صنم کی دریائے اشکِ خوں سے
دامن کو دشت کے ہم اکثر بھگو چکے ہیں ہیں

ہے ایک جان باقی اس کو بھی آپ لے لیں
مدّت ہوئی کہ دل کو الفت میں کھو چکے ہیں

ہوش و حواس کب ہیں کیونکر بتائیں دل کو
الفت میں تیری اے جاں ہم آپ کھو چکے ہیں

— —